فہرست

لمعات:	ادارہ	3
قربانی	ادارہ	5
مفسرین کرام کی ایک علمی کوتاہی	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی	45
پاکستان کے لئے ترقی کا راستہ!	ڈاکٹر عطاء الرحمٰن	49
جنتی	عطاء الحق قاسمی	53
سب انسان برابر ہیں	عارف محمود کسانہ	56

ENGLISH SECTION

Culture, Muslim & Pakistani Culture & Pakistani Muslims

By Shahid Mahmood Butt 1

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- **کلاسک بک سیلرز**، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔	فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226
2- **سانجھ بک سیلرز**، بک اسٹریٹ 46/2، مزنگ روڈ، لاہور۔	موبائل: 0333-4051741
3- **مسٹر بکس**، بک سیلرز، سپر مارکیٹ، اسلام آباد۔	فون: 051-2824805-2278843
4- **البلال بک ڈپو**، اردو بازار، کراچی۔	موبائل: 0344-2502141
5- **شہباز بک ایجنسی**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32632664
6- **مذہبی کتب خانہ**، اردو بازار، کراچی۔	موبائل: 0331-2716587
7- **شاہ زیب انٹر پرائزز**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32214259
8- **علمی کتاب گھر**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32628939
9- **مکتبہ دارالسلام**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32212269
10- **محمد سلیم، قرآن سینٹر**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32210770
11- **محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب**، اردو بازار، کراچی۔	فون: 021-32631056

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

اس سے پہلے ملک میں علامہ اقبالؒ کے یومِ وفات (21 اپریل) کی تقریب منائی جاتی تھی اب کچھ عرصہ سے اسے (نہ معلوم کن وجوہات کی بناء پر) ان کے یومِ پیدائش (9 نومبر) سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی چنداں اہمیت نہیں کہ وہ تقریب ان کے یوم پیدائش کی نسبت سے منائی جاتی ہے یا یوم وفات کی نسبت سے۔ ان تقاریب سے مقصد متعلقہ شخصیت کے ان احسانات کی یاد تازہ کرانا ہوتا ہے جن کے زیرِ بار اس کی قوم ہوتی ہے' اور ہر قوم کی طرف سے اظہارِ تشکر جسے اس کی بارگاہ میں خراجِ تحسین پیش کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جہاں تک علامہ اقبالؒ کے' امت مسلمہ پر بالعموم' اور ملتِ پاکستانیہ پر بالخصوص احسانات کا تعلق ہے' وہ اس قدر کثیر' وقیع اور گراں بہا ہیں کہ ان کی سپاس گذاری سے کما حقہٗ عہدہ برا ہونا مشکل ہے۔ ایک مفکر کے پیغام کی عظمت اور اس کی خدمات کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے قوم کے قلب ونگاہ میں کس قسم کا اور کس قدر انقلاب پیدا کیا۔ اس پیمانے سے ماپئے تو' دور دور تک نگاہ دوڑانے سے بھی اقبالؒ کا ہمسر نہیں ملتا۔ مذہبی نقط نگاہ سے مصلحین (ریفارمرز) اور بھی کئی نظر آئیں گے لیکن ان کی نگاہ یا دسترس شجرِ اسلام کی شاخ تراشی تک محدود رہی۔ یہ اقبالؒ تھا جس کی دوررس اور ژرف بین نگاہ اس کی اصل و بنیاد تک پہنچی۔ اس نے کہا کہ سوال اِس خرابی یا اُس خرابی کا نہیں۔ ہمارا مروجہ اسلام' سرے سے حقیقی اسلام ہے ہی نہیں۔ یہ وہ سکہ ہے جو ہمارے دور ملوکیت کے ٹکسالوں میں ڈھلا اور ہماری مذہبی پیشوائیت کے صرافہ میں جس کا چلن ہے۔ جب تک اس اسلام کو حقیقی اسلام سے بدلا نہیں جائے گا' شجرِ ملت کی کوئی شاخ نہ سرسبز وشاداب ہوگی نہ بارآور۔ یہ اسلام' قرآن مجید کے دفتین میں محفوظ (اور اب ملفوف) ہے۔ بنابریں اس نے ملت اسلامیہ سے کہا کہ ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

یعنی اگر تو مسلمان کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو اس کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ تو قرآن کے مطابق معاشرہ قائم کرے۔

اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ آسان کام نہیں۔ اسلام کو مذہبی پیشوائیت کے چنگل سے چھڑانے کا فریضہ وہی شخص سرانجام دے سکے گا جو' جرأت و بسالتِ فاروقیؓ کے ساتھ اس انقلاب آفریں نعرہ کو لے کر اٹھے کہ۔۔ حسبنا کتاب اللہ۔۔ ہمارے لئے خدا کی کتاب کافی ہے۔

پھر اقبالؒ ان مفکرین میں سے نہیں تھا جن کا نام محض نظریات بہم پہنچانا ہوتا ہے۔ اس نے یہ انقلاب آفریں نظریہ پیش کیا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ اسے عملاً متشکل کرنے کی کیا صورت ہوگی۔ اس نے (1930ء کے خطبۂ صدارت میں کہا کہ اس کے لئے ضروری ہوگا کہ ایک ایسا خطۂ زمین حاصل کیا جائے جس میں مروجہ اسلام مملکتی حیثیت سے پہلے سے رائج نہ ہو۔ وہاں صدرِ اول کے سے قرآنی اسلام کو عملاً نافذ کیا جا سکے گا۔

یہ ہیں اس شمعِ بصیرتِ قرآنی کی ضوفشانیوں کے چند مختصر سے گوشے جو اس حکیمِ انقلاب نے شبستانِ ملت میں روشن کی۔ یہ مایوس اور شکست خوردہ قوم اس بانگِ رحیل سے ایک نیا ذوقِ سفر لے کر اٹھی اور نشاۃ ثانیہ کی امنگیں اور عزائم سینے میں لئے آزادی اور استقلال کی حقیقی منزل پر جادہ پیما ہوگئی۔ اس کی منزل اقوامِ عالم میں سب سے انوکھی منزل تھی اور اس کا ذوقِ سفر امتیازی خصوصیت کا

حامل۔ چند سالوں میں یہ کاروانِ شوق اپنی منزل تک پہنچ گیا۔ لیکن یہ منزل آخری منزل نہیں تھی۔ منتہیٰ و مقصود ایک خطۂ زمین کا حصول نہیں تھا' بلکہ اقبالؒ کے اپنے الفاظ میں مقصود یہ تھا کہ

وہ ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے جس کی تشکیل اس قانونِ الٰہی کے تابع ہو جو نبوتِ محمد ﷺ کو بارگاہِ الٰہی سے عطا ہوا تھا۔

''نورِ توحید کا یہ اتمام'' ابھی باقی ہے اور جب تک یہ ممکن نہ ہو اقبالؒ کی روح مطمئن اور مسرور نہیں ہوگی۔

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورۃ النمل	(27)	280	225/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورہ القصص	(28)	334	250/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	350/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	350/-	سورہ روم' لقمان' السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	350/-	سورہ احزاب' سبا' فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسین	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	325/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-				
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				
سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25/B' گلبرگ 2' لاہور' فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی

(یہ مضمون جولائی 1951ء میں ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع ہوا تھا۔ قارئین کرام کے ذوقِ استفادہ کے لئے اسے دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔ ادارہ)

طلوعِ اِسلام میں قربانی کے متعلق جو کچھ شائع ہوتا رہا' قارئین کی نظروں سے گذر چکا ہے۔ اس کے جواب میں جو کچھ دیگر جرائد و رسائل میں شائع ہوا وہ بھی انہوں نے دیکھ لیا ہوگا۔ جب یہ چیزیں ہمارے سامنے آئی تھیں تو ہم نے محسوس کیا تھا کہ اس موضوع پر ذرا تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔ اب جبکہ پھر قربانی کی عید قریب آ رہی ہے' اس مسئلہ سے متعلق استفسارات کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اس سے تفصیلی گفتگو کی اہمیت اور بھی نمایاں طور پر سامنے آ گئی ہے۔

پہلے یہ متعین کر لیجئے کہ مسئلہ زیرِ غور کیا ہے۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ:

(i) حج کے موقع پر حاجی مکہ معظّمہ میں جانور ذبح کرتے ہیں جسے قربانی کہا جاتا ہے۔

(ii) ایک ایک حاجی متعدد جانور ذبح کرتا ہے۔ ان جانوروں کو گڑھے کھود کھود کر دبانا پڑتا ہے۔

(iii) عید کے موقع پر تمام دنیا کے مسلمان اپنی اپنی جگہ پر جانور ذبح کرتے ہیں۔ اسے بھی قربانی کہا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان میں سے کسی بات کا حکم قرآن کریم سے بھی ملتا ہے یا یہ چیزیں یونہی رسماً چلی آ رہی ہیں؟

☆☆☆

اصل سوال تک پہنچنے سے پہلے' ایک چیز تمہیداً عرض کر دینا ضروری ہے۔ ہمارے ہاں' مختلف وجوہات کی بنا پر صورت یہ پیدا ہو چکی ہے کہ آپ ''مذہب'' سے متعلق کوئی بات' فلسفہ' منطق' تصوف' تفاسیر' روایات وغیرہ میں سے کسی کے حوالہ سے بھی کریں' اس پر کوئی معترض نہیں ہوگا لیکن جہاں آپ نے کسی موضوع کے متعلق یہ کہا کہ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ قرآن اس کی بابت کیا کہتا ہے تو اس کے سنتے ہی اس قسم کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں گویا آپ

نے الحاد اور بے دینی کی کوئی بدترین بات کہہ دی۔ ہم ''مذہب'' کے معاملہ میں یہودیوں کے افسانے' قصہ گوؤں کی داستانیں' یونانی فلسفہ کی قیاس آرائیاں' مجوسیوں کی آتش نوائیاں' ویدانت کے مہلات' برہمو سماجی قسم کے خرافات' حتیٰ کہ کسی مجذوب کی بڑ تک سننا تو گوارا کر لیں گے اور ان لغویات میں معانی پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن جونہی کسی نے کہا کہ آؤ دیکھیں' اس بارے میں قرآن کی کیا تعلیم ہے' تو ہم کوشش کریں گے کہ کوئی اس کی سننے نہ پائے' کیونکہ اس سے ایمان کی خرابی کا خطرہ اور عاقبت برباد ہو جانے کا اندیشہ محسوس ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم متعدد بار لکھ چکے ہیں' یہ نتیجہ ہے اس منظّم سازش کا جسے عجمی عناصر' اسلام سے اپنا انتقام لینے کے لئے' روبعمل لائے اور جس سے ہوا یہ کہ (اقبال کے الفاظ میں)

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امّت روایات میں کھو گئی

رفتہ رفتہ مسلمانوں کو قرآن سے اس قدر چڑ ہو گئی کہ ان کے نزدیک خالص قرآن کی طرف دعوت' الحاد اور زندیقیت کے مرادف قرار پا گئی۔ اس سے بڑا انقلاب سورج کی آنکھ نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ ایسی کامیاب سازش آسمان کے تاروں کی نگاہوں سے گذری ہو گی کہ جس کی رو سے ایک قوم اپنی آسمانی کتاب پر ایمان کا دعویٰ بھی رکھے لیکن جب یہ کہا جائے کہ اپنے معاملات میں اس کتاب کو حَکم قرار دو تو ایسا کہنے والے کو گردن زدنی اور کشتنی قرار دے دیا جائے۔ ہماری بدقسمتی سے ہزار برس سے ہماری مساجد کے منبر اور خانقاہوں کے حجرے' نادانستہ طور پر اس سازش کی آماجگاہ بنے چلے آ رہے ہیں اور اپنی سادہ لوحی سے اس سازش کو محکم سے محکم تر بنانے کی ہر کوشش کو ''دین کی خدمت'' تصور کر کے امت سے اس کے اجر کا مطالبہ کرتے ہیں اور فریب خوردہ امت اس مطالبہ کے پورا کرنے میں سعادتِ دارین محسوس کرتی ہے۔ اس قسم کی سادہ لوحی کی مثال تاریخ کے صفحات میں شاید ہی کہیں اور مل سکے۔

بناء بریں جو لوگ ابھی تک (دانستہ یا نادانستہ) اس سازش کے علمبردار یا اس کے دامِ فریب میں گرفتار ہیں' ان سے تخاطب بیکار ہے۔ لیکن جو سعید روحیں یہ سمجھ چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو قیامت تک محفوظ رکھنے کا ذمہ اس لئے لیا تھا کہ اسے قیامت تک مسلمانوں کا ضابطۂ حیات بننا تھا' ہم انہیں دعوت دیتے ہیں کہ وہ سوچیں کہ قرآن کا اس باب میں کیا حکم ہے اس تفصیلی گفتگو کا محرک یہی جذبہ ہے۔

☆☆☆

سوال آپ کے سامنے آ چکا۔ اب دیکھئے کہ اس باب میں قرآن کیا کہتا ہے۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن نے ان جانوروں کے ذبح کرنے کے لئے کہیں ''قربانی'' کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ نہ ہی اس نے اسے

خاص طور پر قرب الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔[1] یہ تصور کہ جانوروں کے خون بہانے سے خدا خوش ہو جاتا ہے اس لئے قربانی وجۂ تقربِ خداوندی ہوتی ہے' غیر قرآنی تصور ہے۔ آج ہمارے ہاں قربانی کے ساتھ یہی تصور وابستہ ہے اور یہ اسی سازش کا نتیجہ ہے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے اور جس نے اسلام جیسے زندگی بخش نظامِ حیات کو محض رسومات کا مجموعہ بنا چھوڑا ہے۔

قرآن جس تمدنی نظام (Social Order) کی تشکیل چاہتا ہے اس کا نقطۂ آغاز الصلوٰۃ ہے اور منتہیٰ حج۔ یعنی ملت کی چھوٹی چھوٹی وحدتوں (Units) کی صحیح تعمیر سے شروع کر کے' پوری کی پوری ملت کو ایک مرکزِ وحدانیت پر جمع کرنا' انہیں قوانینِ خداوندی کے مطابق چلانا اور اس کے بعد اس ضابطہ حیات کو ساری دنیا میں نافذ کرنے کا ذریعہ بنانا۔ حج' ملت کے اس عظیم القدر اجتماع کا نام ہے جس میں قرآنی نظامِ حیات کے پروگرام پر غور وخوض کر کے اسے نافذ العمل بنانے کی تراکیب کو سوچا جاتا ہے۔ اس اجتماع کا مرکز ''بیت الحرام'' (خانہ کعبہ) ہے جو ملتِ اسلامیہ کا مرکزِ محسوس ہے۔ اس عظیم الشان اجتماع کو کامیاب بنانے میں ہر کوشش مبارک اور ہر اقدام مسعود ہے۔ قرآن کریم میں جانوروں کے ذبح کرنے کا ذکر اسی اجتماع کے سلسلہ میں آیا ہے اور وہ آیات حسب ذیل ہیں۔ (ان آیات پر الگ الگ نمبر بھی دے دیئے گئے ہیں تاکہ آئندہ حوالہ میں سہولت ہو۔ نیز ان کا ترجمہ مروجہ ترجموں کے مطابق ہی کر دیا گیا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ پیدا کر دیا جائے کہ ہم نے (خدانکردہ) اپنے مطلب کے مطابق معانی پیدا کرنے کے لئے ترجمہ کچھ سے کچھ کر دیا ہے)۔

سورۃ الحج میں ہے:

(1) وَاَذِّن فِیْ النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوکَ رِجَالاً وَعَلَی کُلِّ ضَامِرٍ یَاْتِیْنَ مِن کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ O لِیَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَی مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَکُلُوا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِیْرَ (22:27-28)۔

اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز رستوں سے پہنچی ہونگی۔ تاکہ لوگ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور

[1] ہم نے ''خاص طور پر'' اس لئے لکھا ہے کہ قرآن جو ضابطۂ حیات متعین کرتا ہے اس کے مطابق زندگی بسر کرنے (یعنی قوانین خداوندی کی اطاعت۔۔سجدہ۔۔) سے' انسان کے اندر' صفاتِ خداوندی کی مماثل صفات نشوونما پا کر پورے طور پر (Develop) ہو جاتی ہیں۔ اس کا نام ''قرب الٰہی'' ہے۔ اس اعتبار سے ضابطۂ قرآنی کا ہر ٹکڑا' باعث قربِ الٰہی ہے اور اس نہج سے حج اور اس کے قرآنی مشمولات جو اس ضابطہ کے ینفک جزو ہیں عمومی حیثیت سے قرب الٰہی کا موجب ہیں۔

تا کہ ایام مقررہ میں ان چوپاؤں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا کئے ہیں۔ سو جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ۔

ان جانوروں کے متعلق آگے چل کر یوں ارشاد ہے۔

(2) لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ (22:33)-

ان جانوروں میں تمہارے لئے ایک مدتِ معینہ تک فائدہ اٹھانا ہے۔ اس کے بعد ان کے حلال کرنے کی جگہ بیت عتیق (خانہ کعبہ) کے قریب ہے۔

اس سے آگے ہے:

(3) وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (22:36)-

اور قربانی کے اونٹوں[1] کو ہم نے اللہ کے دین کی یادگار[2] بنایا ہے ان جانوروں میں تمہارے لئے (اور بھی) فائدے ہیں۔ سو تم انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لیا کرو۔ پس جب وہ کسی کروٹ گر پڑیں تو تم خود بھی کھاؤ اور سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے محتاج کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیر حکم کر دیا تا کہ تم شکر کرو۔

اور اس کے بعد ہے:

(4) لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَى مِنكُمْ كَذَلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ (22:37)-

اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون۔ ولیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کر دیا تا کہ تم اللہ کی بڑائی کرو اس پر جس کی اس نے تمہیں ہدایت کی ہے اور محسنین کے لئے بشارت ہے۔

یہ سورۂ حج کی آیات ہیں۔ انہیں دیکھئے اور پھر غور کیجئے کہ یہ

---

1 جس لفظ کا ترجمہ ''قربانی کے اونٹ'' کیا گیا ہے وہ لفظ بُدْنَ ہے۔ بَدُن کے معنی ہیں موٹا۔ فربہ۔ بُدن جمع ہے بَدَنَۃٌ کی جس کے معنی فربہ اونٹ وغیرہ ہیں جنہیں حج کے موقع پر مکہ میں ذبح کیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ انہیں فربہ کیا جاتا تھا۔

2 شعائر کا ترجمہ یادگار کیا گیا ہے۔ اس کا صحیح مفہوم ذرا آگے چل کر بیان ہوگا۔

مسئلہ پیش نظر کے متعلق کس قدر صاف اور واضح ہیں۔

آیت (1) میں سلسلۂ کلام کا آغاز ہی اعلانِ حج سے ہوتا ہے اور اسی ضمن میں فرمایا ہے کہ جانوروں کو ذبح کرو اور ان میں سے خود بھی کھاؤ اور حاجتمندوں کو بھی کھلاؤ۔

آیت (2) سے واضح ہے کہ یہ وہ جانور ہیں جن سے پہلے عام جانوروں کا کام لیا جاتا ہے۔ ان پر سواری کر کے یا بوجھ لاد کر، حج کے لئے آیا جاتا ہے اور پھر انہیں حج کی تقریب پر مکہ معظّمہ میں ذبح کیا جاتا ہے۔

آیت (3) بھی آیت (2) کے مضمون کی تائید کر رہی ہے۔ یعنی ان جانوروں کے فوائد (خیر) اور اس کے بعد ذبح کر کے خود بھی کھانا اور محتاجوں کو بھی کھلانا۔ (ان کے شعائر اللہ ہونے کا بیان آگے چل کر آئے گا)۔

آیت (4) میں اس غلط تصور کا بطلان کیا گیا ہے جس کی رو سے سمجھا جاتا تھا کہ قربانی کی حیثیت افادی نہیں بلکہ خدا کی خوشنودی ہے جو خون بہانے سے حاصل ہوتی ہے اس لئے قربانی کے جانور ذبح کر کے چھوڑ دینے چاہئیں۔ اس کے برعکس یہ واضح کر دیا گیا کہ ان جانوروں کے ذبح کرنے سے مقصود خون بہا کر خدا کو خوش کرنا نہیں بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ ان کا گوشت تمہارے اور دیگر ضرورتمندوں کے کام آئے۔ اللہ کے نزدیک قابل قدر چیز تمہارا تقویٰ ہے۔ تقویٰ کی تشریح اگلے الفاظ سے کر دی جن میں بتا دیا گیا کہ تمہارا مقصود حیات یہ ہے کہ جس ضابطۂ حیات کی طرف تمہاری راہنمائی کی گئی ہے اسے متشکل اور مستحکم کرو اور اس طرح دنیا میں قانونِ خداوندی کی عظمت اور کبریائی کو ثبت کر کے دکھا دو۔ اجتماع حج اسی مقصد کے حصول کی کڑی ہے اور یہ جانور اس اجتماع میں شامل ہونے والوں کے خورونوش کا ذریعہ بنتے ہیں۔

قرآن کی رو سے دنیا میں دو ہی قومیں ہیں۔ ایک وہ جو ضابطۂ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں (مُسلم) اور دوسری وہ جو اس کے علاوہ دیگر ضوابط زندگی کو اپنا مسلک بنائیں (غیر مُسلم)۔ قرآن ان دونوں جماعتوں میں واضح اور غیر مبہم امتیازی خطوط قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں بآسانی پہچانے جا سکیں۔ چنانچہ ہر وہ عمل یا وہ شے جو اس قسم کی پہچان کرا سکے شعائر اللہ کہلاتی ہے۔ شعار اس خاص نشان کو کہتے ہیں جو جنگ میں استعمال کیا جائے تاکہ اس سے اپنے رفیق اور دوست پہچانے جا سکیں۔ حج تمام دنیا کے مسلمانوں کا مرکزی اجتماع اور یک قلبی اور یک نگہی کا عملی مظاہرہ اور ایک ضابطۂ قانون کے تابع زندگی بسر کرنے والوں کی تعارفی تقریب ہے۔ اس سے بڑا دوستوں اور رفیقوں کا اجتماع اور کونسا ہو سکتا ہے۔ اس لئے حج کے تضمنات (صفا و مروٰی اور بُدن وغیرہ) کو خصوصیت سے شعائر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے:

(5) يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلاَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلاَ الْهَدْىَ وَلاَ الْقَلآئِدَ وَلا آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَاناً -(5:2)

اے ایمان والو۔ بے حرمتی نہ کرو شعائر اللہ کی اور نہ حرمت والے مہینے کی' نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں' اور نہ ان لوگوں کی جو بیت الحرام کے مقصد سے جا رہے ہوں اور اپنے رب کے فضل اور رضا مندی کے طالب ہوں۔

چونکہ حج سے مقصود' دنیا میں قوانینِ خداوندی کا عملی نفاذ ہے' جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ نوع انسانی میں صحیح توازن پیدا ہو جائے گا اور اس طرح انسانیت اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائے گی' اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں بیت الحرام کو وجہِ قیام انسانیت قرار دیا ہے اس کے ساتھ ہی تضمنات کو بھی انہی الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا:

(6) جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَاماً لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْىَ وَالْقَلآئِدَ..... (5:97)-

اللہ نے کعبہ کو' جو کہ حرمت والا مکان ہے' لوگوں کے قیام کا باعث قرار دیا ہے اور عزت والے مہینے کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانوروں کو بھی اور ان جانوروں کو بھی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں۔

آیات نمبر 1 تا 4 کو پھر سے سامنے لائیے۔ ان سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ قرآن کی رو سے

(1) قربانی صرف حج کے موقع پر ہے۔

(2) قربانی کا مقام مکہ معظّمہ ہے جہاں حج ہوتا ہے۔

(3) قربانی سے مقصود یہ ہے کہ ان جانوروں کا گوشت کھایا جائے۔

(4) یہ سمجھنا کہ جانور ذبح کرنے سے قرب الٰہی حاصل ہو جاتا ہے' غلط ہے۔

ان حقائق سے یہ واضح ہو گیا کہ:

(ا) حج کے علاوہ اور کسی تقریب پر قربانی کا ذکر نہیں۔

(ب) مکہ معظّمہ کے علاوہ اور کسی مقام پر قربانی نہیں۔

(ج) جس جانور کا گوشت کھانے کے کام نہ آئے اُسے قربانی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اس کا صرف خون بہایا گیا ہے اور خون اللہ تک نہیں پہنچتا۔ لہٰذا ایسا کرنا اسراف ہے۔ یعنی

بے نتیجہ اور بے مصرف ایک جانور کا ضائع کر دینا۔

فلھٰذا...

(i) حج کی تقریب پر جانوروں کو ذبح کر کے مٹی میں دبائے جانا منشائے قرآن کے یکسر خلاف ہے۔ اور

(ii) یہ جو عید کی تقریب پر دنیا بھر کے شہروں میں قربانیاں دی جاتی ہیں ان کا حکم تو ایک طرف کہیں ذکر تک بھی قرآن میں نہیں۔ بلکہ یہ قرآن کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ جب قرآن نے قربانی کے مقام کو بالتصریح معین کر دیا ہے تو اس معین کو عام کر دینا قرآنی منشا کے خلاف ہے۔ مثلاً قرآن نے نماز کے لئے سمت قبلہ کو معین کر دیا ہے۔ اس کے بعد ہر طرف منہ کر کے نماز پڑھنا قرآنی حکم کے خلاف ہوگا۔

☆☆☆

اب دیگر آیات دیکھئے۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

(7) **وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ.**

اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ پھر اگر تم (کسی وجہ سے) روک دیئے جاؤ تو قربانی کا جانور جو بھی میسر آئے (خانہ کعبہ کو بھیج دیا کرو)۔

وَلَا تَحْلِقُوا رُؤُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ.

اور اپنے سروں کو اس وقت تک مت منڈواؤ جب تک قربانی کا جانور اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے (اور وہ موقع حرم ہے)۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضاً اَوْ بِهٖ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ.

اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو اس کا فدیہ روزے ہے یا صدقہ یا نسک (قربانی)

فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ.

پھر جب امن کی حالت ہو جائے تو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر دونوں سے متمتع ہو تو جو کچھ قربانی میسر ہو ذبح کرے۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ

حَاضِرِیْ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (2:196)-
پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ آئے تو اس کے ذمے تین دن کے روزے ایام حج میں' اور سات دن کے جب حج سے لوٹنے کا وقت ہو' یہ پورے دس ہوئے۔ یہ اس کے لئے ہے جس کے اہل وعیال کعبہ کے قریب نہ رہتے ہوں۔

ان آیات میں یہ ارشاد ہوا ہے کہ حج اور عمرہ[1] میں' عام حالات میں قربانی کا حکم نہیں۔ ضرورت کے مطابق' باہمی مشاورت سے خور ونوش کے لئے جانور ذبح کئے جائیں گے۔

لیکن حسب ذیل اسباب میں سے کوئی سبب پیدا ہو جائے تو ھدی یا نسک کا حکم ہے (ان الفاظ کے معانی آگے چل کر آتے ہیں)۔

(1) کسی شخص نے حج یا عمرہ کا ارادہ کر لیا لیکن وہ محصور ہو گیا اور خانہ کعبہ تک نہیں پہنچ سکا تو اسے چاہئے کہ اپنے ھدی کو کسی کے ساتھ بھیج دے۔ جب ھدی مکہ میں پہنچ جائے پھر حجامت بنوا کر احرام سے باہر نکل آئے اس سے پہلے حجامت نہ بنوائے۔

(2) دوسرا سبب یہ ہے کہ حالت احرام میں (جبکہ حجامت بنوانا منع ہے) کسی تکلیف کے سبب حجامت بنوانے کے لئے مجبور ہو جائے تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا نُسُک۔

(3) تیسرا یہ کہ حج اور عمرہ ایک ساتھ کرے تو اس صورت میں ھدی دے۔ اور اگر یہ میسر نہ ہو تو دس دن کے روزے رکھے۔

آپ غور کریں گے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان مقامات پر بھی صرف قربانی کا حکم نہیں ہے۔ سبب اول کے ماتحت اتنا بتا دیا گیا ہے کہ عازمِ حج بحالتِ معذوری (محصور ہو جانے کی شکل میں) کیا کرے۔ اس صورت میں وہ اپنے ھدی کو کعبہ تک بھیج دے۔ سبب دوم میں روزے یا صدقہ یا نسک کا حکم ہے اور سبب سوم میں ھدی کا حکم ہے بشرطیکہ وہ میسر آ جائے۔ اگر میسر نہ آئے تو پھر روزے رکھ لے۔

ان آیات میں ھدی اور نسک کے الفاظ آئے ہیں۔ ھدی جمع ہے ھَدِیَّۃ کی جس کے معنی ہیں تحفہ۔ خود قرآن میں ہے بَلْ اَنْتُمْ بِھَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُونَ (27:36)- اس لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ ھدی صرف قربانی کے جانور ہی ہوں۔ ''فما استیسر من الھدی'' نے اس حقیقت کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ یعنی تحائف میں سے جو کچھ بھی میسر آ جائے اسے کعبہ بھیج

[1] حج تمام دنیا کے مسلمانوں کے نمائندگان کی سالانہ کانفرنس ہے اور سال بھر میں وقتاً فوقتاً جو کانفرنسیں کی جائیں وہ عمرہ ہیں۔

دے تا کہ وہاں جمع ہونے والوں کے کام آئے عربوں کے ہاں بہترین تحائف ان کے جانور تھے۔ اس لئے وہ جانوروں کو بطور تحائف پیش کرتے تھے لیکن ضروری نہیں کہ تحائف صرف جانور ہی ہوں۔ لہٰذا آیاتِ بالا سے مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی عازم حج راستہ میں گھر جائے تو اپنے تحائف کعبہ بھیج دے۔ اسی طرح جو شخص حج اور عمرہ سے اکٹھا متمتع ہو اور اسے کوئی تحفہ میسر آ سکے تو اسے پیش کر دے ورنہ روزے رکھ لے۔ اسی طرح نسک کے معنی بھی صرف قربانی نہیں۔ نسک چاندی کے خالص ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔ اخلاص کی بنا پر اس سے مفہوم عام عبادات لیا جاتا ہے (تفصیل آگے چل کر آئے گی) پھر ذبیحہ کو بھی نسک کہنے لگ گئے۔

لیکن قطع نظر اس کے، اگر ھدی اور نسک سے مراد قربانی کے جانور ہی لئے جائیں تو بھی آیاتِ بالا سے یہ واضح ہے کہ ان کا مقام کعبہ ہی ہے۔ انہیں وہیں پہنچانا ہو گا۔ (حتی یبلغ الھدی محلّہ) اور وہیں یہ ذبح ہوں گے تا کہ ان سے اجتماع حج میں شریک ہونے والے خورونوش کا کام لیں۔ اس حقیقت کو دوسرے مقام پر اور بھی واضح کر دیا گیا ہے جہاں فرمایا کہ حالتِ احرام میں شکار جائز نہیں۔ اگر کوئی شخص دانستہ کسی جان کا قتل کر دے تو اس کے بدلے میں اس کی مثل ایک ایسا جانور دے جس کا فیصلہ دو صاحبِ عدل کر دیں۔ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ (5:95)۔ اس ہدیہ[1] کو کعبہ تک پہنچایا جائے۔ اس سے بھی واضح ہے کہ ھدیہ کو کعبہ ہی پہنچانا ہوگا۔

آیاتِ بالا سے پھر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ قربانی کا مقام کعبہ ہے۔ کعبہ کے علاوہ اور کوئی مقام نہیں۔

☆☆☆

اب ایک آیت اور دیکھئے جس سے اس حقیقت کی مزید تصدیق ہو جاتی ہے کہ قربانی کا مقام خانہ کعبہ ہی ہے۔ 6ھ میں رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے کے ارادہ سے مدینہ سے عازم مکہ ہوئے لیکن قریش مکہ نے حضور ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ یہ حدیبیہ کا مقام تھا جہاں وہ مشہور صلح نامہ لکھا گیا جسے قرآن نے فتح مبین سے تعبیر کیا ہے۔ اس ضمن میں قرآن کریم میں ہے:

(8) هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفاً اَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ (48:25)۔

یہ (قریش مکہ) وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا۔ نیز قربانی کے

1۔ آیت نمبر 7 میں اشرف علی صاحب تھانویؒ نے ھدی کا ترجمہ قربانی کیا ہے لیکن اس مقام پر انہوں نے ھدیا کا ترجمہ نیاز کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں ''بشرطیکہ اسے نیاز کے طور پر کعبہ پہنچایا جائے۔'' اس سے بھی ظاہر ہے کہ ھدی کے معنی صرف قربانی کے جانور نہیں بلکہ ہر وہ تحفہ ہے جسے تقریب حج میں پیش کیا جائے۔

جانوروں (ھدی) کو روک دیا کہ وہ اپنے حلال ہونے کی جگہ تک نہ پہنچ سکیں۔

ہمارے پیش نظر سوال یہ تھا کہ کیا قرآن نے قربانی کے مقام کو معین کر دیا ہے یا اسے غیر معین چھوڑ دیا ہے کہ مسلمان جہاں چاہیں (اپنے اپنے مکانوں اور گلی کوچوں میں) قربانی دے دیا کریں۔ قرآن کی تمام متعلقہ آیات آپ کے سامنے آ چکی ہیں آپ انہیں ایک مرتبہ پھر دیکھ لیں اور خود فیصلہ کر لیں کہ اس باب میں قرآن کا حکم معین ہے یا اس نے اس چیز کو غیر معین چھوڑ دیا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ:

(i) آیت نمبر 2 میں قربانی کے جانوروں کے متعلق تصریح موجود ہے کہ:

ثم محلها الى البيت العتيق.

ان کے حلال کرنے کی جگہ خانہ کعبہ ہے۔

(ii) آیت نمبر 7 میں (اگر ھدی سے مراد قربانی کے جانور کئے جائیں تو) بہ صراحت فرما دیا کہ:

حتى يبلغ الهدى محله.

جب تک قربانی کے جانور اپنے ذبح ہونے کے مقام پر نہ پہنچ جائیں۔

(iii) آیت 5:95 میں فرمایا:

هديا بالغ الكعبته.

قربانی کے جانور کو کعبہ تک پہنچایا جائے۔

(iv) آیت نمبر 8 میں ارشاد ہے کہ قریش مکہ نے قربانی کے جانوروں کو روک دیا۔

ان يبلغ محله.

کہ وہ اپنے ذبح ہونے کے مقام تک نہ پہنچنے پائیں۔

(v) باقی آیات میں قربانی کا ذکر حج کے ضمن میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ کہیں نہیں۔

ان حقائق کو سامنے رکھئے اور پھر سوچئے کہ قرآن کریم کی ایسی کھلی ہوئی صراحت کے بعد' اس بات کے متعلق کسی شک وشبہ کی گنجائش بھی باقی رہ سکتی ہے کہ قربانی کا مقام کونسا ہے؟ اگر قرآن صرف اتنا ہی کرتا کہ قربانی کے جانوروں کا ذکر حج کی تقریب کے ضمن میں کر دیتا تو بھی اس حقیقت کے سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوتی کہ قربانی مکہ ہی میں ہوتی ہے لیکن اس نے اتنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ بار بار اس کی بھی تصریح فرما دی کہ قربانی کا مقام کعبہ ہے۔ اگر اس کے بعد بھی اس باب میں کسی کو شبہ ہو سکتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ نہیں! قربانی ہر گلی کوچے میں ہو سکتی ہے' تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ **ومن يضلل الله فلا هادى له'.**

☆☆☆

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ جو حضرات' قرآن کی ان تصریحات کے باوجود قربانی کو ہر گلی کوچے میں عام کرتے ہیں' ان کے دلائل اور قرآن کی مندرجہ صدر کھلی ہوئی حقیقت کے خلاف ان کے اعتراضات کیا ہیں۔ اس باب میں اس وقت ہمارے سامنے سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی

کا وہ مضمون ہے جس میں انہوں نے سالِ گذشتہ' قرآن کی مذکورہ صدر تصریحات کو ''فتنہ'' قرار دے کر ان کی تردید فرمائی تھی [اور جو روزنامہ انجام (کراچی) کے عید ایڈیشن (مورخہ 4 ستمبر 1950ء) میں شائع ہوا تھا]۔ اس مضمون میں انہوں نے خاص طور پر یہ احتیاط برتی ہے کہ اس میں ان آیات کا کوئی ذکر تک نہ آنے پائے جن میں قرآن کریم نے بہ صراحت قربانی کے مقام کو مکہ معظّمہ کے ساتھ مختص کیا ہے اور جنہیں ہم نے اوپر نقل کر دیا ہے۔ اس خصوصی احتیاط کے بعد وہ اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ قربانی کے متعلق قرآن مجید کیا کہتا ہے۔ کیا وہ قربانی کو صرف حج اور متعلقات حج تک محدود رکھتا ہے یا دوسرے حالات میں بھی اس کا حکم دیتا ہے۔ اس باب میں دو آیتیں بالکل صاف ہیں جن کا حج سے کوئی تعلق نہیں۔ پہلی آیت سورۂ انعام کے آخری رکوع میں ہے۔ اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

اے نبی کہو کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے سر اطاعت خم کرنے والا ہوں۔

یہ آیت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی جبکہ نہ حج فرض ہوا تھا اور نہ اس کے مراسم و مناسک مقرر ہوئے تھے اور اس میں کوئی اشارہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس حکم سے مراد حج میں قربانی کرنا ہے۔ نسک کا لفظ جو اس آیت میں استعمال کیا گیا ہے' قرآن مجید میں دوسری جگہ قربانی ہی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو البقرہ نمبر 22۔

تم میں سے جو شخص سفر حج میں بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں تکلیف ہو اور وہ سر منڈوالے تو صدقے میں روزے رکھے یا صدقہ یا قربانی کرے۔ (ملاحظہ ہو آیت نمبر 7 جس میں لفظ نسک آیا ہے۔ طلوع اسلام)۔

مودودی صاحب نے جس آیت کا ترجمہ لکھا ہے وہ آیت سیاق و سباق کے ساتھ اس طرح ہے۔ فرمایا:

(9) قُلْ اِنَّنِیْ هَدَانِیْ رَبِّیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ دِیْناً قِیَماً مِّلَّةَ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفاً وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ O

کہہ دو۔ مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ وہی درست اور صحیح دین ہے۔ ابراہیم کا طریقہ کہ خدا ایک ہے کے لئے ہو جانا اور ابراہیم ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

''حَنِیْفاً'' (ایک خدا کے لئے ہو جانا) کی تشریح اگلی آیت

میں یوں ہے:

(10) قُلْ اِنَّ صَلاَتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ. لاَ شَرِیْکَ لَہُ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ.

کہہ دو۔ میری نماز' میرا نسک' میرا مرنا' میرا جینا' سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلموں میں (یعنی خدا کے فرمانبرداروں میں) پہلا فرمانبردار ہوں۔

اور اس ''توحید'' کی مزید تشریح اس طرح فرما دی کہ:

(11) قُلْ اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ رَبّاً وَھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ.....(6:161-164)-

کہئے! کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور پروردگار ڈھونڈوں حالانکہ وہی ہر شے کا پرورش کرنے والا ہے۔

مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں لفظ نُسُکی کا ترجمہ ہے ''میری قربانی''۔ اس لئے اس سے قربانی کا حکم ظاہر ہے۔ ہم نے مندرجہ بالا ترجمہ میں (جو ابوالکلام صاحب آزاد کا ترجمہ ہے) لفظ نسک کو علیٰ حالہ رہنے دیا ہے۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے' اس لفظ کے لغوی معنی ''چاندی کے خالص کئے ہوئے ٹکڑے'' ہیں۔ اس اخلاص کی جہت سے ''عبادت گذار کو ناسک کہنے لگے کیونکہ وہ اپنے نفس کو چاندی کے ٹکڑے کی طرح گناہوں کی میل سے صاف کرتا ہے۔''[1] قرآن کریم میں نسک' منسک' مناسک کے الفاظ (ان دو آیتوں کے علاوہ جن کا ترجمہ مودودی صاحب نے لکھا ہے) حسب ذیل مقامات پر آئے ہیں:

(12) سورۂ بقرہ میں دعائے ابراہیمی و اسماعیلی۔ وارنا مناسکنا. (2:129)-

(13) سورۂ بقرہ میں حج کے ضمن میں۔ فاذا قضیتم مناسککم. (2:200)-

(14-15) سورۂ حج میں۔ لکل امة جعلنا منسکاًھم ناسکوہ. (22:67) و(22:34)۔

دیکھئے کہ ان آیات میں ان الفاظ کا ترجمہ مختلف مترجمین نے کیا کیا ہے۔

---

[1] نسک کے معنی زمینِ شور کو درست کر کے زراعت کے قابل بنانے کے ہیں۔ چنانچہ ارض ناسکہ اس سرسبز زمین کو کہتے ہیں جس پر تازہ بارش برسی ہو۔ صلاۃ کے معنی خدا کے پیچھے پیچھے رواں دواں چلنا ہے۔ مصلی اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو گھوڑ دوڑ میں اس انداز سے دوسرے نمبر پر آئے کہ اس کے کان اول نمبر کے گھوڑے کی پشت کے ساتھ ساتھ آ رہے ہوں۔ ان معانی کے پیش نظر آیت نمبر 10 کا صحیح قرآنی مفہوم سامنے آ جاتا ہے لیکن یہ موقع اس تفصیل کا نہیں۔ یہ آیت بڑی اہم ہے۔

آیت نمبر 12 ''مناسکنا'' کا ترجمہ مختلف تراجم میں اس طرح آیا ہے:

شاہ عبدالقادرؒ۔عبادات کی طرح۔

شاہ رفیع الدینؒ۔طرح عبادت کی۔

جلالین۔شرائع عبادتنا (یہ اردو ترجمہ نہیں لیکن مفہوم واضح ہے)۔

ابوالکلام صاحب آزاد۔عبادت کے سچے طور طریقے۔

آیت نمبر 13۔''مناسککم''۔

شاہ عبدالقادرؒ۔عبادتیں اپنی۔

شاہ رفیع الدینؒ۔عبادتیں۔

جلالین۔عبادات' حج۔

ابوالکلام صاحب آزاد۔حج کے تمام ارکان۔

آیات نمبر 14 و15۔''منسک''۔

شاہ عبدالقادرؒ۔طرح عبادت کی۔

شاہ رفیع الدینؒ۔عبادت کی طرح۔

جلالین۔شریعت (آیت 22:34 میں اس کے ساتھ ''قربانی کی جگہ'' بھی آیا ہے)۔

ابوالکلام صاحب آزاد۔عبادت کا طور طریقہ۔

اس کے بعد وہ آیت لیجئے جسے مودودی صاحب نے بطور سند پیش کیا ہے۔یعنی ''ان صلاتی ونسکی'' (نمبر 10) اور جس میں انہوں نے نسکی کا ترجمہ ''میری قربانی'' کیا ہے۔ اس لفظ کا ترجمہ مذکورہ صدر مترجمین نے حسب ذیل کیا ہے۔

شاہ عبدالقادرؒ۔عبادتیں۔

شاہ رفیع الدینؒ۔عبادتیں۔

جلالین۔عبادات من حج۔(حج کی عبادات)۔

ابوالکلام صاحب آزاد۔میرا حج۔

یہ ہیں لفظ نسک کے معانی اس آیت میں جسے مودودی صاحب نے وجوب قربانی میں بطور نصِ قرآنی پیش کیا ہے اور جس کا ترجمہ انہوں نے ''قربانی'' کیا ہے۔ شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ اس کے معنی ''عام عبادات'' لیتے ہیں اور تفسیر جلالین اور ترجمان القرآن ابوالکلام صاحب آزاد میں اس کے معنی حج یا حج سے متعلقہ مراسم لکھے ہیں۔(اور وہ جو کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر چڑھ بولے) خود مودودی صاحب نسک کا ترجمہ ''قربانی'' لکھ کر' ایک ہی سطر بعد ''مناسک'' کے معنی ''حج کے مراسم'' بیان فرماتے ہیں۔ان کا جو اقتباس اوپر درج کیا گیا ہے اسے ایک بار پھر پڑھئے۔اس میں آپ کو یہ الفاظ دکھائی دیں گے۔

یہ آیت مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی ہے جبکہ نہ حج فرض ہوا تھا نہ اس کے مراسم ومناسک مقرر ہوئے تھے۔

''حج کے مراسم ومناسک'' لکھ کر' مودودی صاحب نے خود بتا دیا کہ ''مناسک'' کے معنی عام قربانی نہیں' حج کے طور طریقے ہیں۔ لہٰذا اگر ''مناسک'' کے معنی خود مودودی

صاحب کے الفاظ میں ''حج کے عام طور طریقے'' ہیں تو آیت ''ان صلاتی و نسکی'' میں نسک کے معنی عیدالاضحیٰ کی قربانی کس طرح کئے جاسکتے ہیں؟

اب مودودی صاحب کی دوسری دلیل ملاحظہ فرمائیے جس میں ارشاد ہے کہ:

> نسک کا لفظ جو اس آیت میں استعمال ہوا ہے اسے قرآن مجید میں دوسری جگہ ''قربانی ہی'' کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو البقرہ نمبر 24۔
>
> تم میں سے جو شخص سفر حج میں بیمار ہو جائے یا اس کے سر میں تکلیف ہو اور وہ سر منڈوا لے تو فدیہ میں روزے رکھے یا صدقہ یا قربانی کرے۔

(اس آیت کے الفاظ آیت نمبر 7 میں دیکھئے)۔

پہلے تو یہ دیکھئے کہ مودودی صاحب نے نسک کے لفظ کے لئے قرآن کریم کی صرف وہی آیت نقل فرمائی ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ نسک سے مفہوم قربانی لیا جا سکتا ہے۔ دیگر مقامات کا' (جہاں واضح ہے کہ نسک یا منسک یا مناسک کے معنی قربانی نہیں لئے جاسکتے) انہوں نے ذکر ہی نہیں کیا۔

آیت نمبر 7 میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ نسک کے معنی ضروری نہیں کہ قربانی ہی لئے جائیں۔ لہٰذا ایک ایسے مقام کو بطور سند پیش کرنا جس میں مختلف معانی کی گنجائش ہو' دلیل قطعی نہیں قرار دی جاسکتی۔ لیکن آیت نمبر 7 میں نسک کے معنی ''قربانی'' ہی لئے جائیں تو وہیں یہ بھی تو موجود ہے کہ یہ حج کے احکام ہیں۔ اس لئے ''قربانی'' سے مراد وہ قربانی ہے جو خانہ کعبہ میں حج کے موقع پر دی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر نسک کے معنی ''قربانی'' لئے جائیں تو اس کے صحیح معنی ہوں گے ''وہ قربانی جو حج میں کی جائے''۔ اس لئے کہ جب قرآن خود کسی مفہوم کو معین کر دے تو اس مفہوم کو اسی طرح سے لینا چاہئے جس طرح قرآن بیان کرتا ہے۔ لہٰذا یہ ظاہر ہے کہ:

(i) ''ان صلاتی و نسکی'' میں نسکی کے معنی ''میری قربانی'' نہیں۔ اس لئے یہ آیت قربانی کے حکم کے لئے بطور نص قرآنی پیش نہیں کی جا سکتی۔ اور

(ii) اگر اس لفظ کا ترجمہ ''قربانی'' ہی کرنا ہو تو اس سے مراد ہوگی وہ قربانی جو حج میں کی جاتی ہے۔ کیونکہ قرآن کی جس آیت نمبر 7 سے نسک کے معنی ''قربانی'' لئے گئے ہیں وہاں نسک کے معنی وہ قربانی ہے جو حج میں کی جاتی ہے۔ نہ کہ ہر گلی کوچے کی قربانی۔ چنانچہ علامہ حمید الدین فراہیؒ جنہوں نے اس آیت میں نسکی کے معنی ''میری قربانی'' لئے ہیں فرماتے ہیں:

> بالاتفاق تمام مفسرین کے نزدیک

اس آیت میں نسک سے مراد حج اور عمرہ میں قربانی کرنا ہے۔ لغت عرب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

باقی رہی مودودی صاحب کی یہ دلیل کہ چونکہ یہ آیت (ان صلاتی و نسکی.....) مکہ میں نازل ہوئی تھی جب حج فرض نہیں ہوا تھا' اس لئے اس سے مراد حج کی قربانی نہیں۔ سو اس کے متعلق پہلی چیز قابل غور یہ ہے کہ قرآن کریم کی ترتیب نزولی نہیں ہے اس لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ کونسی آیت کب نازل ہوئی تھی۔ خود یہ حقیقت کہ قرآن کی ترتیب نزولی نہیں اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ترتیب نزولی کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ کہا جا سکتا ہے کہ نزول کی ترتیب سے ہم قرآنی تعلیم کے ''تدریجی ارتقا'' کو معلوم کر سکتے ہیں۔ سو اول تو یہ کہ' جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے' اگر یہ چیز ایسی اہم ہوتی تو خود اللہ تعالیٰ قرآن کی ترتیب نزولی رہنے دیتا۔ قرآنی تعلیم زمان اور مکان کی بندشوں سے آزاد ہے۔ وہ ہر زمانے اور ہر حالات میں زندگی بخش ہونے کے لئے دی گئی ہے۔ اس لئے وہ ترتیب نزول اور شانِ نزول وغیرہ کے اختصاصات میں مقید نہیں رکھی جا سکتی۔ جو کچھ قرآن میں موجود ہے وہ ہر زمانے کے لئے ضابطۂ حیات ہے۔ جس قسم کے حالات ہوں گے اسی قسم کے احکام نافذ ہو جائیں گے۔ لہٰذا ترتیب نزول کچھ اہمیت نہیں رکھتی۔ دوسرے یہ کہ ترتیب نزول کے متعلق جو روایات ملتی ہیں وہ باہمدگر مختلف ہوتی ہیں۔ چنانچہ آپ کتب تفاسیر اٹھا کر ان میں کسی سورت کے نزول کے متعلق دیکھئے۔ آپ کو کئی مختلف روایات ملیں گی۔ کبھی پوری کی پوری سورت کے متعلق اختلافات ہوتے ہیں کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی تھی یا مدینہ میں۔ کبھی ایک سورت کی مختلف آیات کے متعلق اختلاف ہوتا ہے۔ کہیں یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض آیات ہجرت کے بعد' مکہ کے قریب نازل ہوئیں تو انہیں مکی لکھ دیا گیا۔ خود سورۂ انعام (جس میں آیت ''ان صلاتی و نسکی..... ہے) کی بعض آیات کے متعلق اختلاف ہے کہ مکی ہیں یا مدنی۔ اس لئے اس سورت کو مکی قرار دے کر اس سے نتیجہ زیر نظر اخذ کرنا' محکم دلیل قرار نہیں پا سکتا۔ بہرحال یہ سورت مکی ہو یا مدنی۔ جو حضرات اس سے ''قربانی'' مراد لیتے ہیں وہ (جیسا کہ علامہ فراہیؒ نے لکھا ہے) اس امر پر متفق ہیں کہ نسک سے مراد وہ قربانی ہے جو حج اور عمرہ میں کی جاتی ہے۔

لیکن قطع نظر اور دلائل کے' مودودی صاحب کا یہ بیان کہ یہ سورت مکی ہے خود ہمارے دعوے کی تائید کر رہا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جیسا کہ قرآن نے بہ صراحت فرما دیا ہے قربانی کا محل مکہ معظّمہ ہے۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ قربانی کا ذکر اس سورت میں آیا ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی اس لئے اس سے مراد حج کی قربانی نہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہجرت سے پہلے رسول اللہ ﷺ

مکہ میں تشریف فرما تھے اس لئے حضورﷺ لامحالہ مکہ ہی میں قربانی کرتے ہوں گے۔ اور یہی ہم کہتے ہیں۔

باقی رہا یہ کہ اس زمانہ میں ابھی حج فرض نہیں ہوا تھا۔ تو اس سے مسئلہ زیرِنظر پر کیا اثر پڑتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حج فرض ہونے سے پہلے بھی حضورﷺ سنتِ ابراہیمیؑ کی اتباع میں اپنے طور پر حج کرتے تھے۔ (سارا عرب حج کیا کرتا تھا اگرچہ اس کا حقیقی مقصد ان کی نگاہوں سے فوت ہو چکا تھا اور اس کے مناسک میں مشرکانہ رسوم داخل ہو چکی تھیں) لہٰذا جب رسول اللہﷺ حج کرتے تھے تو قربانی بھی حج کی تقریب پر ہی ہوتی ہو گی۔ مشرکین، بتوں کے استھانوں پر جانور ذبح کرتے تھے۔ حضورﷺ انہیں اللہ کے نام پر ذبح کر کے خود کھاتے اور محتاجوں کو کھلاتے ہوں گے۔

لہٰذا اس دلیل سے بھی واضح ہے کہ قربانی مکہ ہی میں ہوتی تھی اور حج کی تقریب پر۔ (اس باب میں ابھی ایک نکتہ باقی ہے جو ''وانحر'' کے سلسلہ میں ذرا آگے چل کر بیان ہوگا۔)

☆☆☆

اب وہ دوسری آیت دیکھئے جسے مودودی صاحب نے اپنے دعوے کی دلیل میں پیش فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

دوسری آیت سورۂ کوثر میں ہے جس کا ترجمہ ہے۔

پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔

یہ آیت بھی مکی ہے اور اس میں بھی کوئی اشارہ یا قرینہ ایسا نہیں کہ جس کی بنا پر کہا جا سکے کہ قربانی کا یہ حکم حج کے لئے خاص ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اہلِ لغت نے نحر کے معنی سینے پر ہاتھ باندھنے، قبلہ رخ ہونے اور اول وقت نماز پڑھنے کے بھی بیان کئے ہیں لیکن یہ سب دور کے معنی ہیں۔ عام فہم عربی میں اس لفظ کا مفہوم قربانی کرنا ہی لیا جاتا ہے (اس کے بعد مودودی صاحب نے احکام القرآن کا حوالہ دیا ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کے تمام مترجمین شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالقادر صاحبؒ شاہ رفیع الدین صاحبؒ مولانا محمود الحسن صاحبؒ مولانا اشرف علی صاحبؒ ڈپٹی نذیر احمد صاحبؒ وغیرہم نے بالاتفاق اس لفظ کا ترجمہ قربانی ہی کیا ہے۔[1]

یہ سورۂ کوثر کی آیت ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

ان اعطینک الکوثر. فصل لربک وانحر. ان شانئک

---

[1] ''ان صلاتی و نسکی'' والی آیت میں، شاہ عبدالقادرؒ۔ شاہ رفیع الدینؒ۔ اشرف علی صاحب تھانویؒ وغیرہ نے نسکی کا ترجمہ ''عبادات'' کیا تھا اور چونکہ یہ ترجمہ مودودی صاحب کے منشاء کے خلاف تھا اس لئے مودودی صاحب نے اس مقام پر ان کے ترجموں کا ذکر نہیں فرمایا۔ اب چونکہ ان کا ترجمہ ان کے منشاء کے موافق ہے اس لئے ان کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔

ھو الابتر O

اس میں لفظ نحر قابل غور ہے۔ اس لحاظ سے بھی کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ روایات سے قرآن کا صحیح صحیح مفہوم متعین ہو جاتا ہے۔ اگر ان سے مدد نہ لی جائے تو قرآن کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ نحر کا لفظ قرآن میں اسی مقام پر استعمال ہوا ہے۔ اب دیکھئے کہ روایات اس کا کیا مفہوم ''متعین کرتی ہیں۔''

(1) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نحر سے مراد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو نماز میں اپنے سینے پر رکھنا ہے۔

(2) حضرت علیؓ سے دوسری روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ نحیرہ کیا ہے جس کا میرے رب نے حکم دیا ہے۔ جبریلؑ نے کہا نحیرہ نہیں۔ لیکن حکم یہ ہے کہ آپ نماز کی پہلی تکبیر، رکوع، بعد رکوع اور سجود کے وقت اپنے ہاتھوں کو بلند کریں۔ یہ ہماری نماز ہے اور ملائکہ کی نماز ہے جو سات آسمانوں میں رہتے ہیں۔ ہر ایک چیز کی ایک نیت ہے اور نماز کی نیت ہر تکبیر کے نزدیک رفع یدین کرنا ہے۔

(3) حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ نحر کے معنی ہیں ''اپنی گردن قبلہ کے مقابل کر''۔

(4) امام باقرؒ کا ارشاد ہے کہ اس سے مراد نماز کے شروع کے وقت رفع یدین کرنا ہے۔

(5) حضرت عطا خراسانیؒ فرماتے ہیں کہ وانحر سے مراد یہ ہے کہ اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاؤ تو اعتدال کرو اور سینے کو ظاہر کرو یعنی اطمینان حاصل کرو۔

ان روایات کے علاوہ دیگر اقوال ملاحظہ فرمائیے:

(ا) ابن الاعرابیؒ نے کہا ہے کہ نحر کا مطلب نماز میں محراب کے سامنے سیدھا کھڑا ہونا ہے۔

(ب) ضحاکؒ کا بیان ہے کہ اس کے معنی ہیں دونوں ہاتھ دعا کے بعد چھاتی کے اوپر کے حصہ تک بلند کر۔

(ج) امام راغبؒ (مفردات) میں لکھتے ہیں کہ نحر چھاتی کے اوپر گلو بند کے مقام کو کہتے ہیں۔ اس لئے وانحر میں حکم ہے ہاتھوں کو نحر کے مقام پر رکھنے کا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے شہوت کی بیخ کنی کر کے نفس کشی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

آپ نے نحر کے لفظ کی تحقیق ملاحظہ فرمائی۔ امام رازیؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ذبحِ شتر ہے۔ اس لئے اس کے معنی قربانی ہو گئے۔ فصل لربک وانحر.

اپنے رب کی نماز پڑھ اور قربانی کر۔

اب اس آیت کے مقام نزول کے متعلق دیکھئے۔ مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ محمد علی صاحب لاہوری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس سورت کے نزول کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض اسے مکی کہتے ہیں اور بعض مدنی اور بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ اس کا نزول دو دفعہ ہوا ہے۔ ایک مکہ میں اور ایک مدینہ میں۔ مگر صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی![1]

لیکن علامہ فراہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ صلح حدیبیہ کے دن نازل ہوئی۔ ارشاد ہے:

یہ سورت صلح حدیبیہ کے دن نازل ہوئی جو فتح مکہ، حج، نماز، قربانی، غلبہ اسلام اور کثرت امت کا فتح باب ہے۔

ذرا آگے چل کر پوری کی پوری سورہ (سورۂ کوثر) کی حکمت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

سادہ لفظوں میں گویا یوں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نماز پڑھنے والی اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والی ایک عظیم الشان امت دی ہے جو بیت الحرام کا حج کرے گی۔

یعنی **وانحر** سے مراد ''بیت الحرام کا حج'' کرنا ہے۔

ابن جریرؒ نے اس باب میں لکھا ہے:

سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ **فصل لربک وانحر** والی آیت حدیبیہ کے دن نازل ہوئی۔ جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ قربانی کر کے لوٹ جاؤ۔ آنحضرت ﷺ اٹھے اور عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ (راوی کو شبہ ہے) کا خطبہ دیا۔ پھر دو رکعت نماز ادا کی اور قربانی دی اس وقت حضرت جبریلؑ نے **فصل لربک** کا پیام دیا۔

یعنی جب کفار مکہ نے حضور ﷺ کے قافلہ کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا اور قربانی کے جانوروں کو بھی مکہ تک جانے سے روک دیا گیا (جیسا کہ سورۂ فتح میں مذکور ہے) تو سوال یہ پیدا ہوا کہ قربانی کے جانوروں کو کیا کیا جائے۔ اس وقت جبریلؑ آئے اور کہا کہ ان کی یہیں قربانی دے کر دو رکعت نماز پڑھ لیجئے۔

☆☆☆

وانحر کے معنی بھی آپ نے دیکھ لئے اور مقامِ نزول کے متعلق بھی بیانات ملاحظہ کر لئے۔ ذرا غور کیجئے کہ ان سے کسی طرح بھی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ **وانحر** سے مراد ہے دنیا کے ہر گلی کوچے میں قربانی کے جانور ذبح کرنا! اگر یہ سورت (سورۂ کوثر) مکہ میں نازل ہوئی تھی تو

---

1. یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کا اپنا ذریعۂ علم کیا ہے؟ محض قیاس!

اندازہ یہ ہے کہ یہ ہجرت کے قریب کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے کیونکہ موجودہ ترتیب کے لحاظ سے یہ جن سورتوں کے درمیان رکھی گئی ہے ان کا تعلق ہجرت کے واقعہ سے ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمانوں پر شدائد ومصائب ہجوم کر کے آ چکے تھے۔ نظر بظاہر، ہر طرف مایوسی دکھائی دیتی تھی۔ وقت وہ آ چکا تھا کہ انہیں اپنے گھر بار کو بھی چھوڑنا تھا۔ مستقبل میں بھی کوئی امید کی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ان یاس انگیز حالات میں **انا اعطینک الکوثر** (یقیناً ہم نے تمہیں اپنے انعامات سے بڑی کثرت سے نوازا ہے) کا مژدۂ درخشندہ بڑا حیات بخش (اور مخالفین کے لئے حیرت انگیز) تھا۔ اس کے لئے ارشاد یہ ہوا کہ یہ کثرتِ نعماء نتیجہ ہوں گی اس نظام کی تشکیل وتنفیذ کا جس کا آغاز صلوٰۃ سے ہوتا ہے اور انتہا حج کے اجتماع سے۔ (**فصل لربک وانحر**). **نحر** کے معنی اگر قربانی لئے جائیں تو یہ اونٹ کی قربانی کے لئے مختص ہے۔ ''اونٹ کے ذبیحہ'' میں ایک اور اہم حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا۔ مدینہ میں اس وقت یہودیوں کا غلبہ تھا۔ ہوسکتا تھا کہ کسی کو خیال پیدا ہو جائے کہ اب ''کمزور اور ناتواں'' مسلمانوں کا یہ قافلہ، ہجرت کے بعد، مدینہ کے یہودیوں سے مفاہمت (Compromise) کر کے، قریش مکہ کا مقابلہ کرے۔[1] **وانحر** کے لفظ سے اس شبہ کو بھی مٹا دیا۔

یہودیوں کے ہاں اونٹ حرام تھا۔ مسلمانوں کو اونٹ ذبح کرنے کے لئے کہا گیا۔ یعنی یہود کے علی الرغم۔ یوں سمجھئے جس طرح آج ہندوستان کے شکستہ حال مسلمانوں کو کوئی ''اشارۂ غیبی'' یہ کہہ دے کہ ''اٹھو اور گائے ذبح کرو''۔ اور اگر یہ سورت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی تو اس وقت بھی حالات سخت نامساعد تھے۔ نظر بظاہر، وہ صلح شکست ہی کے مرادف تھی لیکن قرآن نے عین اس وقت ''عطائے کوثر'' کا مژدہ حوصلہ افزا سنایا اور **وانحر**[2] سے یہ بتا دیا کہ اگر انہوں نے آج تمہیں مکہ تک پہنچنے سے روک دیا ہے اور تمہاری قربانیوں کو بھی ان کی قربان گاہ (کعبہ) تک نہیں پہنچنے دیا، تو اس کا کیا غم! تم عنقریب وہاں پہنچ کر قربانیاں کرو گے۔

ان تصریحات کے بعد آپ سوچئے کہ ''**فصل لربک وانحر**'' میں **وانحر** سے عید کے دن ہر گلی

---

1. تفصیل کے لئے دیکھئے ''معراج انسانیت'' عنوان ہجرت۔

2. **نحر** کے معنی کسی معاملہ پر پورا پورا قابو پالینا، بھی ہوتے ہیں۔ **نحرا لامور** کے معنی ہیں اس نے معاملات کو اپنے (Control) میں کرلیا۔ ''**نحر العلم نحرا**'' کے معنی ہیں اس نے اپنے آپ کو علم پر (Master) کرلیا۔ اس لئے نعمائے کثیر حاصل کرنے کا طریق یہ ہے کہ نظامِ صلوٰۃ قائم کیا جائے اور اس طرح تمام امور پر پورا پورا غلبہ وتسلط حاصل کرلیا جائے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمام مخالف قوتیں بیخ وبنیاد سے اکھڑ جائیں گی اور ان کی جڑ کٹ جائے گی۔ **ان شانئک ھوالابتر**.

کوچے میں قربانی کا وجوب کس طرح سے ثابت ہوتا ہے؟

لیکن اگر آپ کو اس پر اصرار ہے کہ **وانحر** سے مراد ہر گلی کوچے میں قربانی ہے تو ذرا حسب ذیل امور پر بھی غور کیجئے۔ ''**فصل لربک وانحر**'' میں فصل (نماز پڑھ) امر کا صیغہ ہے جس سے مطلب یہ ہے کہ نماز فرض ہے۔ اسی طرح **وانحر** امر کا صیغہ ہے' لہٰذا **انحر** بھی فرض ہوئی۔ یعنی جو حیثیت نماز کی ہے وہی حیثیت قربانی کی ہو گی۔ دونوں برابر کی فرض ہوں گی کیونکہ دونوں کا حکم ایک ہے۔ فصل (نماز) کے فرض ہونے کے متعلق تو کسی کو کلام نہیں۔ لیکن دیکھئے کہ **وانحر** (قربانی) کے متعلق کیا عقیدہ ہے۔ خود مودودی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> قرآن و حدیث کے ان دلائل کی بنا پر فقہائے امت نے بقرعید کی قربانی کے متعلق بالاتفاق یہ رائے دی ہے کہ یہ ایک مشروع فعل ہے اور سنن اسلام میں سے ہے۔ اختلاف اگر ہے تو اس میں کہ یہ واجب ہے یا نہیں۔ مگر اس کا مشروع اور سنت ہونا متفق علیہ ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی' فتح الباری میں مذاہب فقہاء کا خلاصہ اس طرح بیان کرتے ہیں:
>
> اور اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ بقر عید کی قربانی شرائع دین میں سے ہے۔ شافعیہ اور جمہور کے نزدیک یہ سنت موکدہ بطریق کفایت اور شافعیوں میں ایک دوسری رائے یہ ہے کہ مقیم اور خوشحال آدمی پر واجب ہے۔ امام مالکؒ کی رائے بھی ایک روایت کی رو سے یہی ہے مگر انہوں نے مقیم کی قید نہیں لگائی۔ اوزاعی اور ربیعہ کی بھی یہی رائے ہے۔ حنفیوں میں سے ابو یوسفؒ اور مالکیوں میں سے اشہب نے جمہور کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ قدرت کے باوجود قربانی نہ کرنا مکروہ ہے۔ اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی ایک ایسی سنت ہے جسے چھوڑ دینے کی اجازت نہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ عید کی قربانی کسی کے نزدیک بھی فرض نہیں۔ زیادہ سے زیادہ سنت ہے اور وہ بھی ایسی کہ امام احمدؒ کے نزدیک اگر باوجود قدرت (استطاعت) کے قربانی نہ کی جائے تو یہ مکروہ ہوگا۔ آپ ذرا سوچئے کہ قرآن میں ''**فصل لربک وانحر**'' کا حکم آتا ہے۔ **صل** (نماز پڑھ) کے متعلق ہر ایک کا اتفاق ہے کہ یہ فرض عین ہے لیکن اسی حکم کے دوسرے ٹکڑے کے متعلق یہ کیفیت ہے کہ اسے کوئی بھی فرض قرار نہیں دیتا۔ صلوٰۃ کا تارک دائرہ اسلام

سے خارج سمجھا جاتا ہے لیکن استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنے والا' مکروہ فعل کا مرتکب گردانا جاتا ہے اور بس! اسی سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ **وانحر** سے مراد عید کی قربانی لینا کس طرح قرآنی مفہوم کہلا سکتا ہے۔

پھر' ایک قدم اور آگے بڑھئے۔ اگر **وانحر** سے مراد قربانی ہے تو **نحر** صرف اونٹ کی قربانی کے لئے مخصوص ہے۔ گائے' بھیڑ' بکری کی قربانی اس میں قطعاً شامل نہیں۔

ایک قدم اور آگے۔ قرآن نے ''**فصل لربک وانحر**'' فرمایا **صل** کے معنی ہوئے ''نماز پڑھ'' اور **وانحر** کے ان کے نزدیک ''قربانی کر''۔ اب ظاہر ہے کہ **صل** کے حکم کی ادائیگی اسی شکل میں اور انہی شرائط کے ساتھ ہو گی جو قرآن میں دوسرے مقامات پر مذکور ہیں۔ مثلاً قرآن نے حکم دے دیا کہ صلوٰۃ کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا چاہئے۔ لہٰذا جب **صل** کہا جائے گا تو اس کے ساتھ یہ تمام شرائط مستلزم ہوں گی۔ جس طرح **صل** کے لئے یہ ضروری ہے اسی طرح **وانحر** کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔ **صل** کے لئے قرآن نے سمتِ قبلہ کا تعین فرما دیا ہے۔ اسی طرح **وانحر** کے لئے قرآن ہی نے کعبہ کے مقام کی تعیین کر دی ہے۔ لہٰذا جس طرح **صل** (نماز) کے لئے سمت قبلہ ضروری ہے اسی طرح **نحر** (قربانی) کے لئے مقامِ کعبہ ضروری ہے۔ نہ سمتِ قبلہ کے بغیر (ہر طرف رخ کر کے) صلوٰۃ ہو سکتی ہے نہ مقامِ کعبہ کے بغیر (ہر مقام پر) قربانی۔ **صل** (صلوٰۃ) کے متعلق قرآن کی تمام حدود و قیود کا التزام ضروری قرار دینا لیکن **وانحر** (قربانی) کے متعلق' قرآن کی متعین کردہ شرط کے یکسر خلاف' دنیا کے ہر گلی کوچے کو قربان گاہ تصور کر لینا' **اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ** (2:85)۔ (کتاب کے ایک حصہ پر ایمان اور دوسرے حصہ سے انکار) کے مرادف نہیں تو اور کیا ہے؟

☆☆☆

آپ یقیناً حیران ہوں گے کہ جب قرآن میں قربانی کے متعلق ایسی تصریحات موجود ہیں تو پھر وہ کونسی وجہ ہے جس کی بنا پر یہ تمام حضرات اس پر مُصر ہیں کہ قربانی کی جگہ مختص نہیں۔ یہ ہر گلی کوچے میں ہو سکی ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے جو دین کے دوسرے شعبوں کو قرآن کے خلاف لے جانے کی وجہ بنی ہے۔ یعنی روایات!! کچھ احادیث ایسی ہیں جن میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عید قرباں کے دن اپنے طور پر قربانی کی۔ چونکہ ہمارے ہاں ''دین'' کی بنیاد قرآن نہیں' بلکہ احادیث ہیں' اور احادیث' قرآن کی ناسخ بھی ہو سکتی ہیں اور اس پر قاضی بھی' اس لئے جس معاملہ میں قرآن اور احادیث میں اختلاف ہو گا' ان لوگوں کا عمل حدیث کے مطابق ہو گا' قرآن کے مطابق نہیں۔ قرآن میں تصریح موجود ہے کہ قربانی حج کے موقع پر کعبہ میں کی

جاتی ہے لیکن چونکہ چند ایک روایات میں آ چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید کے دن قربانی کیا کرتے تھے اس لئے قرآن جو کچھ کہتا ہے اسے کہنے دیجئے۔ عمل حدیث پر ہوگا!

لیکن جیسا کہ روایات میں عام طور پر ہوتا ہے' اس باب میں بھی دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ ایسی بھی جن سے مترشح ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے عید کے دن قربانی کی اور ایسی بھی جن سے ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے یا تو خود مکہ میں قربانی کی یا اپنے قربانی کے جانور مکہ معظّمہ میں بھیجے۔ روایت پرست حضرات کی کیفیت یہ ہے کہ یہ ان احادیث کو تو بڑھ چڑھ کر پیش کرتے ہیں جن میں عید قرباں کی قربانی کا ذکر ہے لیکن ان دوسری قسم کی احادیث کا کبھی ذکر تک نہیں کرتے۔ علاوہ بریں' حدیث کو حجتِ دین قرار دینے میں ایک بہت بڑا ''فائدہ'' یہ بھی ہے کہ احادیث کے متناقض وغیرہ میں سے جو حدیث آپ کے مطلب کی ہو اسے آپ مستند قرار دے دیجئے اور جو آپ کے خلاف جائے اسے ضعیف ٹھہرا دیجئے۔ مودودی صاحب نے اپنے لئے اس باب میں اور بھی آسانیاں پیدا کر لی ہیں کیونکہ ان کا فیصلہ یہ ہے کہ حدیث کو مستند یا ضعیف قرار دینے کا معیار اس شخص کا فیصلہ ہے جو ''مزاج شناسِ رسول اللہ ﷺ'' ہو۔[1]

اسی مسلک کے پیشِ نظر مودودی صاحب نے اپنے محولہ بالا مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ ''اس باب میں جو مستند روایات ہیں ان میں سے چند یہ ہیں'' (اس کے بعد کچھ روایات درج فرمائی ہیں)۔ لیکن جہاں اس قسم کی احادیث ہیں وہاں اس قسم کی احادیث بھی انہی کتابوں میں موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ قربانی کے جانوروں کو مکہ بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً

(1) بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' مالک' نسائی' سب کے سب اس حدیث کے راوی ہیں جس میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ آپ مدینہ سے ہدی کو مکہ روانہ فرماتے تھے تو آپ کے ہدی کے ہار میں بنایا کرتی تھی۔

(2) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حدیبیہ کے سال بہت سے اونٹ بطور ھدی مکہ کو روانہ کئے۔ ان میں ایک اونٹ چاندی کی نتھنی والا بھی تھا۔

(3) حضرت نافعؒ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ اپنی قربانی کے جانوروں کو قباطی' انماط اور حلل کی جھول پہناتے پھر کعبہ کی طرف روانہ کر دیتے۔[2]

1۔ ملاحظہ ہو مضمون ''مثلہ معہ'' جو طلوع اسلام میں شائع ہو چکا ہے۔

2۔ اس وقت ''تلخیص'' ہمارے سامنے نہیں ہے۔ ان حوالوں کے لئے ہم محترم عرشی صاحب کے مضمون کے شکر گذار ہیں۔

(4) زادالمعاد میں علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ حج 9ھ میں فرض ہوا۔ اس سال غزوۂ تبوک سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو کم و بیش تین سو مسلمانوں کے ہمراہ حج کے لئے بھیجا اور اپنے قربانی کے بیس اونٹ جن کے گلوں میں خود اپنے ہاتھ سے قلاوے پہنائے تھے ان کے ساتھ کر دیئے۔ دوسرے سال (10ھ میں) حضور اکرم ﷺ نے خود حج کیا اور مکہ میں سو جانوروں کی قربانی کی۔ الغرض حج کی فرضیت کے بعد دو سال آپ زندہ رہے اور دونوں سال آپ کی طرف سے قربانی مکہ میں ہوئی۔

روایت پرست حضرات کہتے رہتے ہیں کہ کسی روایت کی صحت اور سقم جانچنے کا معیار یہ ہے کہ وہ قرآن کے خلاف نہ ہو۔ بہت اچھا! قرآن نے قربانی کے لئے کعبہ کا مقام متعین کر دیا۔ روایات دونوں قسم کی موجود ہیں۔ وہ بھی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے یا تو خود کعبہ میں قربانی کی اور یا اپنی قربانی کے جانور مکہ بھیجے اور وہ بھی جو قرآن کے خلاف یہ بتاتی ہیں کہ حضور ﷺ نے عید کے موقع پر کہیں اور بھی قربانی کی۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ جو احادیث قرآن کے مطابق ہیں وہ صحیح ہیں لیکن یہ مولوی صاحبان مُصر ہیں کہ نہیں! جو احادیث قرآن کے خلاف ہیں وہ صحیح ہیں اور انہی کے مطابق وہ قربانی کو ہر گلی کوچہ میں واجب قرار دیتے ہیں۔ یہ ہے ان حضرات کا مذہب!

ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

☆☆☆

چلئے! ہم یہ بھی مانے لیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے علاوہ اور جگہ بھی قربانی کی ہے۔ لیکن قرآن کے تعینِ مقام کے پیشِ نظر، ہم یہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایسا اُس زمانے میں کیا ہوگا جب قرآن نے اس امر کی تعیین نہیں کی ہوگی۔ قرآن کے حکم کے بعد ایسا کبھی نہیں کیا ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ قرآن کی کامل اتباع فرماتے تھے۔ لہٰذا قرآن کی تعیین کے بعد رسول اللہ ﷺ کا وہ عمل جو قرآنی حکم سے پہلے کا ہو، سند نہیں قرار پا سکتا۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن کب؟ اس وقت جب ہنوز قرآن نے سمتِ قبلہ کا تعین نہیں کیا تھا۔ جب قرآن نے سمت متعین کر دی تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ قبلہ کی سمت نماز پڑھنے لگ گئے۔ اب اگر کوئی شخص، ان روایات کی بنا پر جن میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، یہ کہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مسنون ہے کیونکہ..... رسول اللہ ﷺ سے ایسا ثابت ہے تو کیا آپ اس ''سنتِ'' رسول اللہ ﷺ پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے؟ آپ ایسا نہیں کریں گے۔ لیکن سوچئے

کہ قربانی کے بارے میں آپ ایسا ہی کر رہے ہیں! جب قرآن نے مقامِ قربانی کا تعین کر دیا تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا وہ عمل جس میں آپ ﷺ نے (اس حکم سے پہلے) دوسرے مقامات پر قربانی کی ہو' سنت رسول اللہ ﷺ قرار نہیں پائے گا!

لیکن اگر آپ اس کے بعد بھی اسی پر مُصر ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآنی تعیین کے بعد بھی' دوسری جگہ قربانی کی ہے' تو معاف فرمائیے! ہم حضور ﷺ کے متعلق اس قسم کے خیال کی جرأت قطعاً نہیں کر سکتے۔ ہم اسے حضور ﷺ کے خلاف بہت بڑا افترا سمجھتے ہیں اور افک عظیم۔ ایسا ہی افترا جیسے کوئی کہے کہ سمتِ قبلہ کے تعین کے بعد بھی حضور ﷺ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ کوئی روایت جو رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل کو قرآنی تصریحات کے خلاف بتاتی ہے ہمارے نزدیک قطعاً وضعی ہے اور بہتان عظیم۔

☆☆☆

قربانی کو عام طور پر ''سنتِ ابراہیمیؑ'' کہا جاتا ہے۔ قرآن میں اس کا بھی کوئی ذکر نہیں۔ قرآن میں صرف اتنا مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس خواب کو حقیقی سمجھا اور حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ جب اُنہیں لٹا دیا تو خدا نے آواز دی کہ اے ابراہیم تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا![1] قرآن میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی جگہ ایک مینڈھا جنت سے بھیجا گیا جس کی قربانی حضرت ابراہیمؑ نے کر دی۔ یہ بیان تورات کا ہے۔ قرآن کا نہیں۔ لہٰذا بکروں کی قربانی سنتِ ابراہیمیؑ بھی نہیں۔ اگر کسی کو سنتِ ابراہیمیؑ پر عمل پیرا ہونا ہے تو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لٹائے۔ اس کے بعد اگر اسے خدا کی طرف سے آواز آ جائے کہ بیٹے کو چھوڑ دو' تو چھوڑ دے اور اگر ایسی آواز نہ آئے تو اُسے ذبح کر ڈالے! بیٹے کی جگہ بکرا ذبح کر دینا اور اسے قرار دینا سنتِ ابراہیمیؑ کا اتباع! تلاعب بالدین ہے۔

☆☆☆

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ قرآن میں ہے کہ خدا نے حضرت اسمٰعیلؑ کو ''ذبح عظیم'' کے فدیہ میں چھڑا لیا اور وہ ''ذبح عظیم'' یہی (بکروں اور مینڈھوں کی) قربانیاں ہیں جو ہر سال دی جاتی ہیں۔ یہ عقیدہ بھی خود تراشیدہ ہے۔ اول تو اس منطق پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے (حضرت) اسمٰعیلؑ کو چھری سے ذبح ہونے سے بچا کر ''ذبح عظیم'' (بہت بڑی قربانی) کے لئے مختص کر لیا۔ اور ہمارے ہاں اس سے مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کے مقابلہ میں بھیڑوں بکریوں کی قربانی ''ذبح

---

1 تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن جلد سوم (تاریخ رسالت) عنوان ''حضرت ابراہیمؑ''

عظیم'' ہے۔غور کیجئے کہ اس سے کیسی بلند حقیقت کو کتنی پست سطح پر لایا جاتا ہے۔حضرت اسمٰعیلؑ باپ کے پہلوٹھے بیٹے (اور منصب سرداری کے مستحق) ہونے کی جہت سے شام کی سرسبز و شاداب وادیوں کے حکمران بننے والے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ انہیں' اپنے خیال کے مطابق خدا کی راہ میں ذبح کر رہے تھے۔چھری گلے تک آ پہنچی تھی۔بس ایک لمحہ میں یہ قربانی ختم ہو جانے والی تھی۔اللہ نے انہیں چھری سے بچا کر حکم دیا کہ مکہ کی بے برگ و گیاہ وادی میں ''ہمارا گھر'' بناؤ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اس گھر کی پاسبانی کے لئے وقف کر دو۔آپ غور کیجئے۔سرزمین شام کی شادابیوں اور شگفتگیوں کی جگہ صحرائے عرب کا مسکن اور منصب سرداری اور حکمرانی کے بجائے عبادت گاہ کی تولیت! یہ تھی وہ بڑی قربانی جس کے لئے حضرت اسمٰعیلؑ کو چھڑا لیا گیا تھا۔وہ قربانی جسے ایک لمحہ میں ختم نہیں ہو جانا تھا بلکہ ساری عمر ساتھ رہنا تھا۔یہ ایک ایک سانس کی قربانی تھی۔لمحہ بہ لمحہ قربانی تھی۔مسلسل و متواتر قربانی تھی۔عمر بھر کی قربانی تھی۔بلکہ یوں کہئے کہ پشتوں تک کی قربانی تھی۔حضرت اسحٰقؑ کی نسل کے حصہ میں شوکتِ سلیمانی اور دارائے داؤدی آ گیا اور حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کے حصہ میں صحرائے عرب کی عبادت گاہ کی رکھوالی۔ کہئے! یہ قربانی بڑی تھی یا ایک لمحہ میں رگِ جان کا کٹ جانا! یہ تھی وہ عظیم الشان قربانی جس کے اثرات صدیوں تک تولیتِ کعبہ کی شکل میں متوارث آگے بڑھتے رہے تآنکہ' شاخِ اسرائیلی کے بےنم ہو جانے کے بعد' یہ شاخ اسمٰعیلی' اس حسن و شادابی کے ساتھ گلبار و ثمر ریز ہوئی کہ اس کی تازگی اور شگفتگی میں قیامت تک فرق نہیں آئے گا۔ یہ تھا ثمرہ اس ''ذبحِ عظیم'' کا جس کے لئے حضرت اسمٰعیلؑ کو خدا نے وقف کر لیا تھا۔اس حقیقت کے بعد سوچئے کہ ''ذبحِ عظیم'' سے مراد بھیڑوں' بکریوں کی قربانی لینا' قرآنی عظمتوں کو کن پستیوں تک لے جانا ہے۔

☆☆☆

اب آخر میں دیکھئے مودودی صاحب کی وہ دلیل' جو اس وقت دی جاتی ہے جب کوئی دلیل نہیں سوجھتی۔ وہ دلیل جس کے متعلق قرآن کریم نے ہر نبی کے واقعات کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔یعنی جب بھی اللہ کا کوئی رسول آتا اور لوگوں کو وحی خداوندی کی طرف دعوت دیتا تو سامنے سے جواب یہ ملتا کہ ہم اس علم و بصیرت کی اتباع نہیں کریں گے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو۔بلکہ

اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءنَا عَلَى أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَى آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ(43:22)-

ہم نے اپنے اسلاف کو ایک مسلک پر چلتے پایا ہے۔ہم انہی کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔

مترفین قوم یہ کہہ کر عوام کو بھڑکا دیتے اور پھر عوام ان مدعیانِ حق وصداقت کے پیچھے پڑ جاتے۔یہی سابقہ انبیائے کرامؑ کی وحی کے ساتھ ہوتا رہا اور یہی نبی اکرم ﷺ کی

طرف آمدہ وحی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب اس باب میں فرماتے ہیں:

سب سے بڑا ثبوت اس کے سنت اور مشروع ہونے کا یہ ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک[1] سے لے کر آج تک مسلمانوں کی نسل اس پر عمل کرتی چلی آئی ہے۔ دو چار یا دس پانچ آدمیوں نے نہیں بلکہ ہر پشت کے لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں نے اس طریقہ کو اخذ کیا ہے اور اپنے بعد والی پشت تک کے لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں تک اسے پہنچایا ہے۔

اس کے بعد مودودی صاحب اس حربہ پر اتر آتے ہیں جس سے عوام کے جذبات کو مشتعل کیا جاتا ہے۔

اگر تاریخ اسلام کے کسی مرحلہ پر کسی نے اسے ایجاد کر کے دین میں شامل کرنے کی کوشش کی ہوتی تو کس طرح ممکن تھا کہ عام مسلمان بالاتفاق رائے اسے قبول کرتے اور کہیں کوئی بھی اس کے خلاف لب کشائی نہ کرتا۔ آخر یہ امت ساری کی ساری منافقوں پر ہی تو مشتمل نہیں رہی ہے کہ حدیثوں پر حدیثیں قربانی کی مشروعیت پر گھڑ دی جائیں اور ایک نیا طریقہ ایجاد کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا جائے اور پوری امت آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر بیٹھے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ہماری پچھلی نسلیں ایسی ہی منافق تھیں تو معاملہ قربانی تک کب محدود رہتا ہے۔ پھر تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، بلکہ خود رسالت محمد یہ ﷺ اور قرآن تک سب ہی کچھ مشکوک و مشتبہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہے:

افسوس ہے کہ موجودہ زمانے میں بعض لوگ نہ خدا کا خوف رکھتے ہیں، نہ خلق کی شرم، علم اور سمجھ بوجھ کے بغیر جو شخص جس دینی مسئلہ پر چاہتا ہے۔ بے تکلف تیشہ چلا دیتا ہے پھر اسے کچھ پروا نہیں ہوتی کہ اس ضرب سے صرف اسی ایک مسئلہ کی جڑ کٹتی ہے یا ساتھ ہی ساتھ دین کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے۔

یہ ہے وہ آخری دلیل محکم جو سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی طرف سے قربانی کے ثبوت میں پیش ہوئی ہے۔ اس دلیل کا جواب اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے جو خود خدا نے دیا ہے جب فرمایا کہ:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا اَنزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ

---

1. نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک کے متعلق تو دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں (جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے)۔ اس لئے اپنے اس ''مسلمہ'' میں عہد نبوی کو تو شامل نہ کیجئے۔ بعد کا ذکر کیجئے۔

يَدْعُوهُمْ اِلَى عَذَابِ السَّعِيْرِ (31:21)-

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے اسلاف کو دیکھا ہے۔ خواہ انہیں شیطان جلتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف ہی کیوں نہ بلا رہا ہو۔

یا خود مودودی صاحب کے الفاظ میں کہ:

جو چیز قرآن کے الفاظ یا اسپرٹ کے خلاف ہوگی اسے ہم یقیناً رد کر دیں گے۔ (تفہیمات' حصہ اول' ص329)۔

مودودی صاحب عوام کو بھڑکانے کی خاطر فرماتے ہیں کہ:

''آخر یہ امت ساری کی ساری منافقوں پر ہی تو مشتمل نہیں رہی ہے کہ حدیثوں پر حدیثیں قربانی کی مشروعیت پر گھڑ دی جائیں اور ایک نیا طریقہ ایجاد کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دیا جائے اور پوری امت آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر بیٹھے؟''

یعنی مودودی صاحب کے نزدیک یہ امر محال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی ایسی چیز دین میں داخل کر دی گئی ہو جو خدا اور رسول کے احکام کے خلاف ہو اور وہ امت میں اس طرح رائج ہو جائے کہ پھر تمام مسلمان اسی مسلک پر چل پڑیں۔ یہ دلیل (بظاہر) بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا جواب ہم سے نہیں' خود مودودی صاحب کی زبان سے سنئے۔ مودودی صاحب نے آج سے کچھ عرصہ پہلے' رسالہ الفرقان (بریلی) کے شاہ ولی اللہ نمبر میں ''منصب تجدید کی حقیقت'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا۔ اس میں انہوں نے پہلے یہ بتایا تھا کہ اصلی اسلام کیا تھا اور اسے رسول اللہ ﷺ نے کس طرح متشکل فرمایا۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا تھا کہ اس اصلی اسلام پر کیا گذری اور کس طرح گذری۔ سنئے کہ وہ اس باب میں کیا فرماتے ہیں۔ (اقتباس طویل ہے لیکن ایسا ناگزیر تھا)۔ آپ لکھتے ہیں:

خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ نے یہ سارا کام 23 سال کی مدت میں تکمیل کو پہنچا دیا۔ آپ کے بعد ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ دو ایسے کامل لیڈر اسلام کو میسر آئے جنہوں نے اسی جامعیت کے ساتھ آپ کے کام کو جاری رکھا۔ پھر زمام قیادت حضرت عثمانؓ کی طرف منتقل ہوئی اور ابتداً چند سال تک وہ پورا نقشہ بدستور جما رہا جو نبی ﷺ نے قائم کیا تھا۔

جاہلیت کا حملہ: مگر ایک طرف حکومت اسلامی..... کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز زیادہ سخت ہوتا جا رہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ جن پر اس کار عظیم کا بار رکھا گیا تھا' ان تمام خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل

القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں' اس لئے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رُکا۔ ان کے بعد حضرت علیؓ آگے بڑھے اور انہوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی انتہائی کوشش کی مگر ان کی جان کی قربانی بھی اس انقلاب معکوس کو نہ روک سکی۔ آخر کار خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور ختم ہو گیا' ''ملک.....'' نے اس کی جگہ لے لی' اور اس طرح حکومت کی اساس اسلام کی بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہوگئی۔

حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد جاہلیت نے مرض سرطان کی طرح اجتماعی زندگی میں اپنے ریشے بتدریج پھیلانے شروع کر دیئے' کیونکہ اقتدار کی کنجی اب اسلام کی بجائے اس کے ہاتھ میں تھی اور اسلام زورِ حکومت سے محروم ہونے کے بعد اس کے نفوذ و اثر کو بڑھنے سے نہ روک سکتا تھا۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہ آئی تھی بلکہ ''مسلمان'' بن کر آئی تھی۔ کھلے دہریئے یا مشرکین و کفار سامنے ہوتے تو مقابلہ شاید آسان ہوتا' مگر وہاں تو آگے آ گئے توحید کا اقرار' رسالت کا اقرار' صوم وصلوٰۃ پر عمل' قرآن و حدیث سے استشہاد تھا اور اس کے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی تھی۔ ایک ہی وجود میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونا ہمیشہ جاہلیتِ صریحہ کے مقابلہ کی بہ نسبت ہزاروں گنا زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے۔ عریاں جاہلیت سے لڑیئے تو لاکھوں مجاہدین سر ہتھیلیوں پر لئے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور کوئی مسلمان علانیہ اس کی حمایت نہ کر سکے گا۔ مگر اس مرکب جاہلیت سے لڑنے جایئے تو منافقین ہی نہیں' بہت سے اصلی مسلمان بھی اس کی حمایت پر کمربستہ ہو جائیں گے اور الٹا آپ کو موردِ الزام بنا ڈالیں گے۔ جاہلی امارت کی مسند اور جاہلی سیاست کی رہنمائی پر ''مسلمان'' کا جلوہ افروز ہونا' جاہلی تعلیم کے مدرسے میں ''مسلمان'' کا معلم ہونا' جاہلیت کے سجادہ پر ''مسلمان'' کا مرشد بن کر بیٹھنا وہ زبردست دھوکا ہے جس کے فریب میں آنے سے کم ہی لوگ بچ سکتے ہیں۔

اس معکوس انقلاب کا سب سے زیادہ خطرناک پہلو یہی تھا کہ اسلام کا نقاب اوڑھ کر تینوں قسم کی جاہلیتوں نے اپنی جڑیں پھیلانی شروع کر دیں اور ان کے اثرات روز بروز زیادہ پھیلتے

چلے گئے۔

جاہلیت خالصہ نے حکومت اور دولت پر تسلط جما لیا۔ نام خلافت کا تھا اور اصل میں وہی پادشاہی تھی جس کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔ بادشاہوں کو الٰہ کہنے کی ہمت کسی میں باقی نہ تھی اس لئے ''السلطان ظل اللہ'' کا بہانہ اختیار کیا گیا اور اس بہانے سے وہی مطاع مطلق کی حیثیت بادشاہوں نے اختیار کی جو الٰہ کی ہوتی ہے۔ اس شاہی کی سرپرستی میں امراء' حکام' ولاۃ' اہل لشکر اور مترفین کی زندگیوں میں کم وبیش خالص جاہلیت کا نقطۂ نظر پھیل گیا اور اس نے ان کے اخلاق اور معاشرت کو پوری طرح ماؤف کر دیا۔ پھر یہ بالکل ایک طبعی امر تھا کہ اس کے ساتھ ہی جاہلیت خالصہ کا فلسفہ' ادب اور ہنر بھی پھیلنا شروع ہو' اور علوم و فنون بھی اسی طرز پر مرتب و مدون ہوں' کیونکہ یہ سب چیزیں دولت اور حکومت کی سرپرستی چاہتی ہیں' اور جہاں دولت اور حکومت جاہلیت کے قبضہ میں ہوں وہاں ان پر بھی جاہلیت کا تسلط ناگزیر ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یونان اور عجم کے فلسفے اور علوم و آداب نے اس سوسائٹی میں راہ پائی جو اسلام کی طرف منسوب تھی' اور اس کی دراندازی سے ''کلامیات'' کی بحثیں شروع ہوئیں' اعتزال کا مسلک نکلا' زندقہ اور الحاد' پَر پُرزے نکالنے لگا اور ''عقائد'' کی موشگافیوں نے نئے نئے فرقے پیدا کر دیئے۔ اسی پر بس نہیں رقص' موسیقی اور تصویر کشی جیسے خالص جاہلی آرٹ بھی ازسرِنو ان قوموں میں بار پانے لگے جن کو اسلام نے ان فتنوں سے بچا لیا تھا۔

جاہلیت مشرکانہ نے عوام پر حملہ کیا اور توحید کے راستے سے ہٹا کر ان کو ضلالت کی بے شمار راہوں میں بھٹکا دیا۔ ایک صریح بت پرستی تو نہ ہو سکی باقی کوئی قسم شرک کی ایسی نہ رہی جس نے ''مسلمانوں'' میں رواج نہ پایا ہو۔ پرانی جاہل قوموں کے جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اپنے ساتھ بہت سے مشرکانہ تصورات لئے چلے آئے اور یہاں ان کو صرف اتنی تکلیف کرنی پڑی کہ پرانے معبودوں کی جگہ مقابر اولیاء سے کام لیں اور پرانی عبادات کی رسموں کو بدل کر نئی رسمیں ایجاد کریں۔ اس کام میں دنیا پرست علماء نے ان کی بڑی مدد کی اور وہ بہت سی مشکلات ان کے راستہ سے دور کر دیں جو شرک کو اسلام کے اندر نصب کرنے میں پیش آ سکتی تھیں۔ انہوں نے بڑی دیدہ ریزی سے آیات اور احادیث کو توڑ مروڑ کر اسلام میں اولیا پرستی اور قبر پرستی کی جگہ نکالی'

مشرکانہ اعمال کے لئے اسلام کی اصطلاحی زبان میں سے الفاظ بہم پہنچائے اور اس نئی شریعت کے لئے رسموں کی ایسی صورتیں تجویز کیں کہ شرکِ جلی کی تعریف میں نہ آ سکیں۔ اس فنی امداد کے بغیر اسلام کے دائرے میں شرک بیچارہ کہاں بار پا سکتا تھا؟

جاہلیتِ راہبانہ نے علماء مشائخ' زھاد اور پاک باز لوگوں پر حملہ کیا اور ان میں وہ خرابیاں پھیلانی شروع کیں جن کی طرف میں اس سے پہلے اشارہ کر آیا ہوں۔ اس جاہلیت کے اثر سے اشراقی فلسفہ' راہبانہ اخلاقیات اور زندگی کے ہر پہلو میں مایوسانہ نقطۂ نظر مسلم سوسائٹی میں پھیلا اور اس نے نہ صرف یہ کہ ادبیات اور علوم کو متاثر کیا' بلکہ فی الواقع سوسائٹی کے اچھے عناصر کو مارفیا کا انجکشن دے کر سست کر دیا' پادشاہی کے جاہلی نظام کو مضبوط کیا' اسلامی علوم وفنون میں جمود اور تنگ خیالی پیدا کی اور ساری دین داری کو چند خاص مذہبی اعمال میں محدود کر دیا۔

مودودی صاحب کے بیان کے مطابق' رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد ''جاہلیت'' اسلام میں گھس آئی اور اس نے مرض سرطان کی طرح مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں اپنے ریشے بتدریج پھیلانے شروع کر دیئے اور اس کے بعد ہو یہ گیا کہ امارت کی مسند اور سیاست کی راہنمائی پر' جاہلیت مسلمان کا نقاب اوڑھ کر بیٹھ گئی۔ تعلیم کی مدد سے جاہلیت مسلمان کے لباس میں معلم بن کر متمکن ہوگئی اور خانقاہوں کے سجادوں پر جاہلیت مرشد ومربی کے خرقوں سے مسلط ہوگئی۔ غرضیکہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد زندگی کے عناصر ثلاثہ' سیاست' شریعت اور تصوف' سب پر غیر اسلامی تصورات چھا گئے اور چھا گئے خالص اسلام کا نقاب اوڑھ کر۔

ہم مودودی صاحب سے پوچھتے یہ ہیں کہ جب سرے سے پورے کے پورے اسلام کی جگہ ایک جدید اسلام نے لے لی تھی اور غیر اسلامی معتقدات واعمال' یکسر اسلامی شعائر ومناسک بن کر مسلمانوں میں مروج ہو گئے تھے۔ تو اس سیلاب جاہلیت میں اگر یہ خیال بھی بہ کر آ گیا ہو کہ ہر گلی کوچے میں قربانی امرِ مشروع ہے' تو اس میں کونسی بات وجہ استعجاب ہے!

اصل یہ ہے کہ مودودی صاحب کرتے یہ ہیں (اور یہ مسلک ہر شخص کا ہوتا ہے جو ایک نئی پارٹی (فرقہ) کا مرکز بن رہا ہو) کہ جب انہیں یہ (Suit) کرے کہ مسلمانوں کو گمراہ اور بر باطل قرار دیا جائے تو وہ بے محابا ایسا کہتے چلے جائیں گے۔ لیکن اس استثناء کے ساتھ کہ ''اس گمراہی وضلالت کے باوجود' ہر زمانے میں کچھ لوگ ایسے رہتے ہیں جو حق پر ہوتے ہیں'' تاکہ اس سے وہ اپنی پارٹی

کو برسرِ حق ثابت کرسکیں لیکن جب کوئی دوسرا شخص یہ کہے کہ مسلمانوں میں فلاں بات غلط چلی آ رہی ہے تو وہ جھٹ جمہور کے بہی خواہ بن بیٹھیں گے اور انہیں یہ کہہ کر بھڑکائیں گے کہ ''دیکھو! یہ شخص تمہارے اسلاف کے متعلق کہتا ہے کہ وہ سب گمراہ تھے۔ استغفراللہ۔ توبہ توبہ' ایسی جرأت!'' مثلاً پچھلے دنوں مودودی صاحب نے ایک اصول بیان فرمایا تھا کہ جو شخص کسی منصب کے لئے امیدوار ہوا سے اس منصب سے محروم کر دینا چاہئے کیونکہ ان کے نزدیک کسی منصب کے لئے اپنے آپ کو بطور امیدوار پیش کرنا قرآن اور حدیث دونوں کے خلاف ہے۔ اس پر کسی صاحب نے اعتراض کیا کہ حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو خلافت کے لئے خود بطور امیدوار پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں مودودی صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

> آخری فیصلہ کن بات اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ یا بزرگانِ سلف میں سے کسی کا عمل ایک طرف ہو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات دوسری طرف تو ہمارے لئے یہ کسی طرح جائز نہیں کہ خدا اور رسول ﷺ کے فرمان کو چھوڑ کر کسی بزرگ کے عمل کو اپنے لئے قانونِ زندگی قرار دیں۔ جس کا جو عمل بھی فرمانِ خدا اور رسول ﷺ سے مختلف ہو وہ ایک لغزش ہے نہ کہ حجت۔ ان بزرگوں کی خوبیاں اور خدمات تو اتنی زیادہ تھیں کہ ان کی لغزشیں معاف ہو جائیں گی مگر ہم سے زیادہ بدقسمت کون ہو گا اگر ہم اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ پچھلے بزرگوں کی لغزشیں بھی چن چن کر اپنی زندگی میں جمع کر لیں۔

اگر یہی چیز کہیں طلوع اسلام میں شائع ہو جاتی تو آپ دیکھتے کہ اس پر کس طرح سب وشتم کی پوچھار ہوتی اور جمہور کو کس طرح یہ کہہ کر ابھارا جاتا کہ دیکھو! اب' اور تو اور' حضرت علیؓ کی ذاتِ گرامی پر بھی حملے ہونے لگ گئے ہیں!

بہرحال' آپ نے دیکھ لیا ہو گا کہ مودودی صاحب نے اپنے اس اعتراض کا جواب' کہ امت میں اس قسم کا خلافِ اسلام مسلک کیسے رائج ہوسکتا تھا' خود ہی کس طرح دے دیا ہے۔ مودودی صاحب نے یہ تو بتا دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کس طرح پورے کا پورا اسلام ایک دوسری قسم کے اسلام سے بدلا گیا لیکن انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ وہ جاہلیت' جو اسلام کا نقاب اوڑھ کر اندر گھسی تھی' آئی کن کن راہوں سے تھی اور اس کا طریقِ کار کیا تھا؟ مودودی صاحب کے لئے یہ بتانا مشکل تھا۔ مجرد گفتگو (Abstract talk) میں انسان کے لئے بڑی گنجائش رہتی ہے لیکن متعین گفتگو (Definite talk) میں آپ کو ٹھوکر سامنے آنا پڑتا ہے۔ مودودی صاحب جانتے ہیں کہ ''جاہلی اسلام'' نے یہ سب کچھ روایات کی آڑ میں کیا۔ طلوع اسلام اس کو وہ سازش قرار دیتا ہے جس کا ذکر

اس کے صفحات پر بار بار ہوتا چلا آ رہا ہے اور اس طرح مسلمانوں کے دامن کو روایات کی جھاڑیوں سے چھڑانا چاہتا ہے۔ مودودی صاحب بھی روایات کو ویسا ہی غیر یقینی مانتے ہیں جیسا طلوع اسلام۔ روایات کے متعلق ان کے یہ خیالات اس سے قبل انہی صفحات پر پیش کئے جا چکے ہیں جن میں وہ کہتے ہیں۔

(1) صداقت کے ساتھ صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ پہلی صدی کے آخر سے حدیث کے ذخیرے میں ایک حصہ ایسی روایات کا بھی داخل ہونے لگا تھا جو موضوع تھیں اور یہ کہ بعد کی نسلوں کو جو احادیث پہنچیں ان میں صحیح اور غلط اور مشکوک سب ملی جلی تھیں۔

(2) یہ بات نا قابلِ انکار ہے کہ علم کا جیسا مستند اور معتبر ذریعہ قرآن مجید ہے ویسا مستند اور معتبر ذریعہ حدیث نہیں ہے۔

(3) محدثین کرام نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا جو بلا شبہ نہایت بیش قیمت ہے۔ مگر ان میں کونسی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو..... نفس ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا تھا اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اشخاص کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم کرنے میں ان کے ذاتی رجحانات کا بھی کسی حد تک دخل ہو جائے۔ یہ امکان محض عقلی نہیں بلکہ اس امر کا ثبوت موجود ہے۔

(4) وہ بھی تو آخر انسان تھے۔ بشری کمزوریاں ان کے ساتھ بھی لگی ہوئی تھیں۔ کیا ضروری ہے کہ جس کو انہوں نے ثقہ قرار دیا ہو وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو وہ بالیقین غیر ثقہ ہو۔

(5) یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے کہ سنت نبوی ﷺ اور آثار صحابہؓ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اسی پر اعتماد کر لیا جائے۔

(6) حقیقت یہ ہے کہ روایات کے لحاظ سے نقد حدیث کے جس قدر ذرائع ہمارے پاس ہیں وہ مفید علم و یقین نہیں ہیں بلکہ ظن غالب ہی تک ہمیں پہنچاتے ہیں۔[1]

لیکن اس کے بعد، طلوعِ اسلام تو کھلے کھلے کہہ دے گا کہ حق (قرآن) کی موجودگی میں ظن و تخمین (روایات) دین میں حجت نہیں قرار دی جا سکتیں۔ لیکن مودودی صاحب ایسا نہیں

1۔ اقتباسات ''تفہیمات حصہ اول'' سے ہیں اور آخری اقتباس رسالہ ترجمان القرآن بابت مارچ، اپریل، مئی 1951ء کے ص 46 کے حاشیہ سے لیا گیا ہے۔

کہیں گے۔ اس لئے کہ ایسا کہنے سے وہ بھی ''منکرِ حدیث'' قرار پا جائیں گے اور یہ ظاہر ہے کہ منکر حدیث کبھی اسلامی جماعت کا امیر نہیں رہ سکتا نہ ہی عوام میں مقبول رہ سکتا ہے۔ وہ روایات کو غیر یقینی قرار دے کر ماڈرن طبقہ کے نزدیک ماڈرن بن جائیں گے اور اپنی تحریروں میں ''کتاب و سنت''۔ ''کتاب وسنت'' کے الفاظ دہرا دہرا کر' عوام میں حامی سنت رسول اللہ ﷺ قرار پائیں گے۔

اس کے علاوہ' جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے' احادیث کو دین قرار دینے میں گنجائش بڑی نکل آتی ہے۔ حدیثوں کے مجموعہ میں ہر قسم کی روایات مل جاتی ہیں۔ جس حدیث کو آپ اپنے مطلب کے مطابق سمجھیں اسے ''مستند'' کہہ دیں۔ جو اس کے خلاف ہو' اسے ضعیف قرار دے دیں؟ آپ کو یاد ہوگا کہ کچھ ماہ قبل یہ بحث چلی تھی کہ اسلام میں زمین کی انفرادی ملکیت جائز ہے یا نہیں۔ اس ضمن میں بعض حضرات نے ایسی احادیث پیش کیں جن سے مترشح ہوتا تھا کہ زمین پر انفرادی ملکیت جائز نہیں اور زمین بٹائی پر نہیں دی جا سکتی۔ مودودی صاحب زمین پر زمینداروں کی ملکیت رکھنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے کہہ دیا کہ جو احادیث بٹائی کو ناجائز قرار دیتی ہیں سب غیر مستند ہیں اور جو احادیث میں بٹائی کے حق میں پیش کر رہا ہوں بالکل ثقہ اور صحیح ہیں۔

☆☆☆

گذشتہ اوراق میں جو کچھ آپ کی نظروں سے گذر چکا ہے اسے بغور دیکھئے۔ یہ حقیقت آپ کے سامنے آ جائے گی کہ:

(i) قرآن کریم نے قربانی کا ذکر حج کے سلسلہ میں کیا ہے۔

(ii) ایک جگہ نہیں' متعدد مقامات پر اس کی تخصیص اور تعیین کر دی ہے کہ قربانیوں کا مقام خانہ کعبہ ہے۔

(iii) قربانی کے متعلق واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ اس سے مقصود سامانِ خورونوش کا مہیا کرنا ہے۔

(iv) قرآن میں کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ عید کے دن' اپنی اپنی جگہ' ہر گلی' کوچے میں قربانیاں دینے کا حکم ہے۔

اس سے یہ واضح ہے کہ قرآن کی رُو سے

(ا) قربانی حج کی تقریب پر کرنی چاہئے اور وہ بھی صرف اسی قدر جس سے خورونوش کا سامان ہو جائے۔ لہٰذا

(ب) نہ تو حج میں ایسی قربانیوں کی اجازت ہے جنہیں زمین میں دبا دیا جائے اور نہ ہی حج سے باہر قربانی کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے۔

یہ ہے قرآن کی کھلی کھلی اور واضح تعلیم۔ باقی رہیں احادیث۔ سو

(i) ان میں دونوں قسم کی روایات ملتی ہیں۔ وہ بھی جن سے مترشح ہوتا ہے کہ حضورﷺ نے عید کے دن قربانی کی اور وہ بھی جن سے ظاہر ہے کہ حضورﷺ نے یا تو خود مکہ معظّمہ میں بتقریب حج قربانی کی یا قربانی کے جانوروں کو مکہ معظّمہ بھیجا۔

(ii) لہٰذا قرآن کی تخصیص وتعیینِ مقام وتقریب کے بعد' اول قسم کی احادیث کے متعلق یہی سمجھنا چاہئے کہ وہ

(ا) یا تو اس زمانے سے متعلق ہیں جب قرآن میں ہنوز حج کی قربانی کے احکام نہیں آئے تھے۔ اس لئے جب وہ احکام آ گئے تو رسول اللہﷺ کا یہ عمل' سند نہ رہا۔ اور

(ب) اگر شق (ا) ناقابلِ تسلیم ہو تو پھر لامحالہ اسی نتیجہ پر پہنچا جائے گا کہ یہ روایات وضعی ہیں کیونکہ رسول اللہﷺ کا کوئی عمل قرآن کے خلاف ہو نہیں سکتا۔

لیکن اگر اس کے باوجود آپ کو اس پر اصرار ہے کہ حج میں ہر حاجی کو ایک' ایک' دو دو' چار چار' دس دس' سو سو جانور ذبح کرنے کی اجازت ہے اور ہر جانور کے ذبح کرنے کا ثواب ملتا ہے اور نیز یہ کہ دنیا کے ہر گلی کوچے میں عید کے دن جانور ذبح کرنا امر مشروع ہے۔ تو ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا کام راستہ دکھا دینا ہے۔ راستے پر لگا دینا نہیں۔

مشکل یہ ہے کہ جب انسان کے ذہن میں کوئی بات اندھی تقلید کی بنا پر بطور عقیدہ جم جائے تو اس میں خالی الذہن ہو کر سوچنے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی۔ اگر ان حضرات میں خالی الذہن ہو کر سوچنے کی صلاحیت ہوتی تو ہم ان سے کہتے کہ آپ ذرا تصور میں لائیے کہ کسی جگہ قریب ایک لاکھ انسان جمع ہوں اور ان میں سے ہر ایک دو' دو۔ چار چار' بھیڑوں بکریوں کو ذبح کر کے زمین پر تڑپتا چھوڑ دے اور اس کے بعد ان تمام تین چار لاکھ لاشوں کو گڑھے کھود کھود کر دبا دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی دنیا میں ہر مقام پر کروڑوں کی تعداد میں اسی طرح جانور ذبح کئے جائیں اور دن بھر ان جانوروں کا گوشت اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر گھومتا پھرے اور اس کے بعد یہ قوم اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے ایک بہت بڑا کارنمایاں سرانجام دے دیا جس کا انہیں خدا کے ہاں بہت بڑا اجر ملے گا اور یہ جانور انہیں جہنم سے پار لگانے کا موجب بنیں گے۔ یہ منظر تصور میں لائیے اور پھر سوچئے کہ ان چار روایتوں نے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے' آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اور کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ روایات نے کیا یہ ہے کہ اسلام جیسے زندگی بخش نظامِ حیات کو رسومات کا مجموعہ بنا دیا ہے (اور یہی ان لوگوں کا مقصود تھا جنہوں نے مسلمانوں کو قرآن سے ہٹا کر

روایات میں الجھا دیا۔ رسومات سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کو نتائج کے اعتبار سے نہیں پرکھتا بلکہ انہی کو بجائے خویش مقصود قرار دے لیتا ہے۔ ان کے برعکس دین (نظامِ زندگی) میں ہر عمل ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے اس لئے اسے ہمیشہ نتائج کے لحاظ سے پرکھا جاتا ہے چونکہ رسومات' غور وفکر کے معیار پر کبھی پوری نہیں اترتیں اس لئے ان کے ساتھ ہی یہ عقیدہ پیدا کر دیا جاتا ہے کہ مذہب میں عقل کا کوئی کام نہیں۔ دین کو رسومات میں بدلنے کے لئے شروع میں ضرور کاوش کرنی پڑتی ہے لیکن جب ایک دو نسلوں تک یہ سلسلہ چل جائے تو اس کے بعد سابقہ نسل کا عمل (اسلاف کا مسلک) آنے والی نسل کے لئے سند قرار پا جاتا ہے اور اس طرح یہ گاڑی خود اپنے زور (Momentum) سے خود بخود آگے بڑھتی جاتی ہے اور جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے ''اسلاف کے مسلک'' کی سند پختہ سے پختہ تر ہوتی جاتی ہے کیونکہ اس طرح نسلاً بعد نسلٍ اسلاف کی تعداد میں بھی تو اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا ہے حتی زرتم المقابر. قوم زندگی کی تمام صلاحیتوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ ہم اسی (Momentum) کے زور میں بہے چلے جا رہے ہیں' ورنہ اگر کسی وقت بھی' تھوڑی دیر کے لئے کھڑے ہو کر سوچ لیا جائے تو بات کچھ ایسی مشکل نہیں جو سمجھ میں نہ آ سکے۔ رسول اللہ ﷺ کا عہد ہمایوں نہایت مختصر سا عرصہ تھا۔ اس وقت یہی دین تھا اور یہی اس کے احکام' جن کے ہم آج مدعی ہیں۔ اس نے جو نتائج پیدا کر دیئے وہ ہم سب کے سامنے ہیں۔ اس کے بعد تیرہ سو برس سے مسلمانوں میں یہ تمام ''اعمال'' (نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' کلمہ وغیرہ) مسلسل چلے آ رہے ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس عہد کے بعد ان اعمال ومعتقدات نے کبھی وہ نتائج پیدا نہیں کئے جو اس عہد میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ سوچنے کی بات ہے کہ اس کے بعد ان ''اعمال'' کو کیا ہو گیا کہ انہوں نے پھل دینا ہی بند کر دیا؟

اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ:

(1) اس وقت خود رسول اللہ ﷺ موجود تھے اور ان کی وجہ سے ان اعمال نے ایسے ثمرات مرتب کر دیئے۔

(2) وہ دور صحابہؓ کا تھا۔ اس کے بعد ویسے مسلمان کہاں سے آئیں۔

ذرا سوچئے کہ یہ دلائل کس قدر خود فریبی کا موجب ہیں۔ اگر ان اعمال کے نتیجہ خیز ہونے کے لئے خود رسول کی موجودگی ضروری تھی تو پھر سلسلۂ نبوت ختم کیوں کر دیا گیا؟ میرزائی' نبوتِ میرزا کے جواز میں یہی دلیل پیش کرتے ہیں لیکن قرآن اس دلیل کی صاف تردید کرتا ہے۔ وہ برملا کہتا ہے کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ۔ محمد ﷺ صرف خدا کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ.

اس سے پہلے بہت سے پیغامبر ہوگذرے ہیں۔ اَفَاِن مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَی اَعْقَابِکُمْ (3:144)- اگر یہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم اس کے بعد اُلٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کے پیش کردہ نظام حیات کے نتیجہ خیز اور ثمر بار ہونے کے لئے رسول کی موجودگی ضروری نہیں۔ نبوت کو ختم کر کے' قرآن کو قیامت تک کے لئے محفوظ رکھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اب پیغام' نبی کے بغیر' وہی نتائج پیدا کرے گا جو اس نے نبی کی موجودگی میں پیدا کئے تھے۔ باقی رہی دوسری دلیل۔ سو وہ پہلی دلیل سے بھی زیادہ رکیک ہے۔ صحابہؓ کو صحابہؓ ' نظام قرآن پر عمل پیرا ہونے نے بنا دیا تھا۔ اس لئے نظام قرآنی جو نتائج اس وقت پیدا کر سکتا تھا وہی نتائج ہر زمانہ میں مرتب کر سکتا ہے۔ اس نظام کی تو خصوصیت ہی یہ ہے کہ یہ مکان اور زمان کی بندشوں سے آزاد ہے۔ اس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ یہ ہر زمانہ اور ہر مقام میں وہی زندگی بخش نتائج پیدا کر دے جو اس نے ایک دفعہ پیدا کئے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دلائل' روایت پرستوں نے فریب دہی کے لئے وضع کئے تھے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ اب رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی سی شوکت وعظمت کیوں حاصل نہیں ہوتی تو وہ پوچھنے والوں کو یہ کہہ کر جھوٹا اطمینان دلا دیتے کہ تم اپنا مقابلہ اُس دور سے کیسے کر سکتے ہو؟ کیا تم اپنے آپ کو صحابہؓ جیسا سمجھتے ہو؟ حالانکہ ہوا یہ تھا کہ صحابہؓ کے زمانہ میں ہر عمل' اس کے نتائج سے پہچانا جاتا تھا اور اب روایت پرستی نے دین کو رسومات میں تبدیل کر کے یہ عقیدہ پیدا کر دیا تھا کہ مذہب کے یہ ارکان' مقصود بالذات ہیں۔ تم جب ان رسومات کو ادا کر دیتے ہو تو یہ اللہ کے ہاں مقبول ہو جاتے ہیں اور ان کا ''ثواب'' تمہارے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے جو قیامت کے دن میزان میں تلے گا۔ اس سے ہر شخص مطمئن ہو جاتا تھا۔ چنانچہ اب بھی یہ حالت ہے کہ جو شخص حج کر کے آتا ہے اُسے اطمینان ہوتا ہے کہ بحمداللہ میں ایک اہم فریضہ سے سبکدوش ہو گیا اور جو شخص قربانی دے دیتا ہے وہ سمجھ لیتا ہے کہ اس نے اپنی نجات کا سامان مہیا کر لیا۔ قربانی کے مقبول ہونے کے لئے بس اتنی شرط ہے کہ جانور کان کٹا اور دم بریدہ نہ ہو۔ اگر اس کے کان اور دم ثابت ہیں اور وہ کانا اور لنگڑا نہیں ہے تو بس قربانی کا فریضہ مع جملہ شرائط کے ادا ہو گیا۔ دین کے متعلق یہ تصور پیدا کر دیجئے اور اس کے بعد صحابہؓ تو ایک طرف' فرشتوں کو بھی لے آیئے۔ دین کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرے گا! دنیا کے باقی مذاہب کے ساتھ یہی ہوا تھا اور اسی تصور کو مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا۔ لیکن عجم کی اُس سازش نے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ (اور جسے مودودی صاحب نے ''جاہلی اسلام'' سے تعبیر کیا ہے) اسلام کو بھی دیگر مذاہب کی صف میں لا کھڑا کیا اور اس کے زندہ نظامِ حیات کو' جو اُمتِ وسطیٰ کے لئے امامتِ اقوام

(Leadership of Nations) کا ضامن تھا' مجموعۂ رسومات بنا دیا اور یہ سب کچھ کیا گیا روایات کے زور پر۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اپنی صداقت کی ایک دلیل محکم پیش کی تھی اور وہ یہ کہ: فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً مِّن قَبْلِهِ اَفَلاَ تَعْقِلُون (10:16)- ''میں نے اس سے قبل تمہارے اندر اپنی عمر گذاری ہے۔ کیا تم اس سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میں سچا ہوں یا جھوٹا۔'' اسی طرح حضور ﷺ نے اپنے دین کی صداقت کے لئے بھی ایک ہی دلیل پیش کی تھی اور وہ یہ کہ:

قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُواْ عَلَى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدّارِ اِنَّهُ لاَ يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ (6:135)-

ان سے کہو کہ اے میری قوم! (اس بات کا فیصلہ کہ تم جس نہج پر زندگی بسر کر رہے ہو وہ کامیابی کی راہ ہے یا جس مسلک کی طرف میں دعوت دیتا ہوں وہ خوشگواریوں کا راستہ ہے' بالکل آسان ہے۔ اس میں کسی بحث و جدل کی ضرورت ہی نہیں) تم اپنے نظامِ زندگی کے مطابق کام کئے جاؤ اور میں اپنے پروگرام کے مطابق کام کئے جاتا ہوں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انجام کار کس کے لئے ہے؟ نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ خدا کے نظام کو چھوڑ کر دوسری راہوں پر چلنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

غور فرمایا آپ نے کہ دین کی صداقت کا معیار کیا تھا؟ یہ معیار تھا اس کے نظامِ حیات کے نتائج جو کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ کر دینے کے لئے کافی تھے۔ وہ نتائج جو جلدی سامنے آ جانے والے تھے۔ صرف قیامت کے دن نہیں بلکہ یہیں۔ اسی دنیا میں۔ تھوڑے سے وقت کے بعد۔ یہ تھا دین کا وہ استقرائی معیار (Pragmatic test) جو قرآن نے پیش کیا تھا۔ ہم پوچھتے یہ ہیں کہ کیا آج دنیا کے چالیس کروڑ مسلمان کسی قوم کے مقابلہ میں بھی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ تم اپنے طریق کے مطابق کام کئے جاؤ۔ ہم نمازیں پڑھتے ہیں' روزے رکھتے ہیں' حج کرتے ہیں۔ قربانیاں دیتے ہیں۔ اس کے بعد نتائج خود بخود بتا دیں گے کہ کامیابی کس کے ہاتھ میں رہتی ہے؟ ہماری ہزار برس کی نمازوں اور روزوں نے کیا نتائج پیدا کر دیئے ہیں جواب پیدا ہو جائیں گے۔ یہ سب اس لئے کہ ہم نے روایات کی رو سے اعمال کو رسومات میں بدل دیا ہے اور اب جب ان رسومات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو روایات ہمیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیتی ہیں کہ یہ اعمال رائیگاں نہیں جا رہے۔ ان کا نتیجہ قیامت میں نکلے گا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی یہی صوم وصلوٰۃ اور حج اور زکوٰۃ دین کے ارکان تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کا چیلنج یہ تھا کہ ان اعمال کے نتائج ابھی سامنے آئے جاتے ہیں اور وہ نتائج سامنے آ گئے لیکن جب ہماری رسومات کوئی نتائج

پیدا نہیں کرتیں تو ہم یہ کہہ کر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ نہیں! ان کے نتائج اگلی دنیا میں جا کر مرتب ہوں گے! کتنا بڑا ہے یہ فریب جس میں امت مبتلا چلی آ رہی ہے۔ اس فریب کی رو سے' اعمال کے نتائج اس دنیا میں نہیں' صرف اگلی دنیا میں جا کر مرتب ہوں گے۔ ان نتائج سے مفہوم یہ ہے کہ ''نجات'' کس طرح سے ہوگی؟ اس نجات کے لئے روایات نے بہت سی آسان راہیں بتا دیں۔ اس کے لئے کسی جدوجہد' کسی سعی وعمل' کسی تگ وتاز' کسی کدو کاوش کی ضرورت نہیں۔ مطلب گناہوں کی معافی سے ہے تاکہ جنت مل جائے۔ سو اس کے لئے بڑے سے بڑے سہل نسخے کتب روایات میں موجود ہیں۔ موطا امام مالکؒ میں ہے کہ:

من قال سبحان الله و بحمده فی یوم ماة مرة حطت منه خطایاه وان کانت مثل زبدة البحر۔

جس نے دن میں سو مرتبہ ''سبحان الله و بحمده'' کا ورد کر لیا اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ جتنے بھی کیوں نہ ہوں۔

اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھئے۔ روایات نے تو جنت کو یہاں تک سستا کر دیا ہے کہ: من قال لا اله الا الله دخل الجنة۔[1] جس نے لا اله الا الله کہہ دیا جنت میں داخل ہو گیا۔ اس کے برعکس قرآن یہ کہتا ہے کہ:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُواْ مِنکُمْ وَیَعْلَمَ الصَّابِرِیْنَ(3:142)-

کیا تم سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم لوگوں میں سے انہیں پرکھا ہی نہیں جو جہاد کرنے والے ہیں اور مشکلات میں ثابت قدم رہنے والے۔

فرمائیے! کہ روایات کی جنت کو چھوڑ کر' قرآن کی جنت کی طرف کون آئے گا! قرآن نے حج کے متعلق کہا

1۔ یہ حدیث بڑی دلچسپ ہے سنئے۔

ایک مرتبہ حضورﷺ ایک باغ میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے پاس حضرت ابوہریرہؓ جا پہنچے۔ حضورﷺ نے فرمایا۔ جاؤ جو شخص ملے اسے یہ بشارت دے دو کہ جس نے کہہ دیا لا الہ الا اللہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ وہاں سے واپس آئے تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے ملے اور انہیں وہ بشارت سنائی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کو زور سے تھپڑ رسید کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ بھاگے بھاگے رسول اللہﷺ کے پاس پہنچے۔ حضرت عمرؓ بھی پیچھے پیچھے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ تھپڑ کی ضرب سے رو رہے تھے۔ حضورﷺ نے واقعہ پوچھا اور پھر حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اسے کیوں پیٹا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا حضورﷺ نے کلمہ پڑھ لینے پر جنت کی بشارت دی ہے۔ فرمایا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ ایسا نہ کریں مبادا لوگ سست ہو جائیں۔ انہیں کام کرنے دیجئے۔ فرمایا بہت اچھا۔ ہم لوگوں کو کام کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ (مسلم)

تھا کہ یہ دنیا میں **قیاما للناس** کا موجب ہے۔یعنی اس سے نوع انسانی میں توازن قائم ہو جائے گا اور انسانیت اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو جائے گی۔ اس کے معنی صاف ہیں کہ حج کا اجتماع اس مقصد کے لئے ہے کہ یہ امت' جس کا منصب **شھداء علی الناس** (تمام نوع انسانی کے اعمال کی نگرانی) ہے' ایک مرکزی مقام پر جمع ہو کر سوچے کہ دنیا میں قوانینِ خداوندی کا نفاذ کس طرح سے ہوسکتا ہے۔ کیونکہ قیامِ انسانیت' قوانینِ خداوندی کے بغیر ناممکن ہے۔ اسے سوچے اور اس کے بعد وہ تدابیر اختیار کرے جس سے دنیا میں نظامِ خداوندی عملاً نافذ ہو سکے۔ یہ تھا قرآنی حج۔ اسی اجتماع کے خورونوش کے لئے قربانی کے جانوروں کی ضرورت تھی لیکن روایات نے یہ کہہ دیا کہ اگر فلاں فلاں رسومات ادا کر دی جائیں تو حج ہو جاتا ہے اور فلاں فلاں انداز کا جانور ذبح کر دیا جائے تو قربانی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد وہی حج جسے وجۂ قیامِ انسانیت بننا تھا' یکسر یاترا بن کر رہ گیا۔ یہ ہے جو کچھ روایات نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔ اگر ہم قرآن ہی کو دین سمجھتے تو جب تک ہمارے اعمال وہ نتائج مرتب نہ کرتے جنہیں قرآن نے ان کا فطری ثمر قرار دیا ہے' ہم کبھی اطمینان سے نہ بیٹھتے۔ لیکن جب ہم نے روایات کو دین بنا لیا تو پھر نتائج کا سوال ہی باقی نہ رہا۔ پھر محض رسومات کی پابندی رہ گئی۔ اب آپ قربانی کے ہزار فلسفے تراشتے رہئے' اس سے کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوسکتا۔ ان اعمال سے اسی وقت نتائج مرتب ہو سکتے ہیں جب آپ قرآن سے پوچھیں کہ انہیں کن نتائج کے لئے متعین کیا گیا تھا۔

☆☆☆

یہ ہیں قرآن کی رُو سے قربانی کے احکام۔ یعنی

(i) قربانی اجتماعِ حج کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کا مقصد اس اجتماع میں شریک ہونے والوں کے لئے خوراک بہم پہنچانا ہے۔ لہٰذا اس ضرورت سے زیادہ جس قدر جانور ذبح کئے جاتے ہیں وہ اہلاکِ نسل ہے۔ جسے قرآن نے فساد سے تعبیر کیا ہے۔(**ویھلک الحرث والنسل.** 2:205)۔

(ii) حج کے علاوہ قربانی اور کہیں نہیں' لہٰذا یہ جو دنیا کے ہر قریہ اور ہر بستی کے ہر گلی کوچے میں جانور ذبح کئے جاتے ہیں قرآن کی رُو سے اس کی شرعی حیثیت کچھ نہیں۔

ذالک الدین القیم ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون.

جن حضرات کو اللہ نے نور بصیرت عطا کیا ہے اور وہ قرآن کو ضابطۂ ہدایت مانتے ہیں' ہمارا خیال ہے کہ انہیں حقیقت تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں محسوس ہو گی۔ لیکن جو لوگ ابھی تک اُس سازش کے شکار چلے آتے ہیں' اور اس دامِ فریب سے نکلنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں' ان کے لئے

اس قدر صراحت اور وضاحت بھی کچھ نفع رساں نہیں ہو سکتی۔ انہیں ان کا مولوی ایک ہی خطبہ میں بتا دے گا کہ یہ ایک بہت بڑا فتنہ ہے جو تمہیں ''اتباعِ رسول اللہ ﷺ'' سے باز رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اس عجمی سازش کو ''اتباعِ رسول اللہ ﷺ'' کے نقاب میں پیش کرے گا اور پھر حجاز کے میدان میں لاکھوں بھیڑیں بکریاں ذبح کر کے چھوڑی جائیں گی اور پھر مسلمانوں کی تمام بستیوں میں، ہر گلی اور کوچہ میں جانور ذبح کر کے، ان کے ایک ایک بال کے عوض دس دس نیکیاں حاصل کی جائیں گی اور اس طرح ''پل صراط'' سے ''صحیح وسالم'' گذرنے کا ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس جاہلیت کی پیدا کردہ سازش کا مقابلہ آسان نہیں۔ اس لئے کہ:

> سب سے بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ جاہلیت بے نقاب ہو کر سامنے نہیں آتی۔ بلکہ ''مسلمان'' بن کر آتی ہے۔ کھلے دہریئے، مشرکین یا کفار سامنے ہوں تو مقابلہ آسان ہوتا ہے۔ مگر یہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار، رسالت کا اقرار، صوم وصلوٰۃ پر عمل، قرآن وحدیث سے استشہاد ہوتا ہے اور اس کے پیچھے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی ہوتی ہے۔ ایک ہی وجود میں اسلام اور جاہلیت کا اجتماع ایسی سخت پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے کہ اس سے عہدہ برا ہونا ہمیشہ جاہلیت صریحہ کے مقابلہ کی بہ نسبت ہزاروں گنا زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے۔ عریاں جاہلیت سے لڑیئے تو لاکھوں مسلمان مجاہدین سر ہتھیلیوں پر لئے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور کوئی مسلمان علانیہ اس کی حمایت نہ کر سکے گا۔ مگر اس مرکب جاہلیت سے لڑنے جایئے تو منافقین ہی نہیں بہت سے اصلی مسلمان بھی اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو جائیں گے اور الٹا آپ کو موردِ الزام بنا ڈالیں گے۔ (مودودی صاحب)۔

طلوع اسلام کا مقصد اسی ''مرکب جاہلیت'' سے جنگ کرنا ہے۔ وہ مقابلہ کی سختی سے آگاہ اور ان ساحرین کی شعبدہ بازیوں کے اثرات سے اچھی طرح واقف ہے۔ لیکن، بایں ہمہ:

اسے کیا غم کہ اس کی آستیں میں ہے یدِ بیضا؟

MATRIMONIAL

For our U.S. citizen graduate daughter, 29 years old, working in reputed firm, we are looking decent, educated & professional U.S. citizen aging 35 years. Contact with Bio-Introduction and picture via E-mail.

برائے رابطہ: شاہد وسیم

Email: shahid@ribbonbazaar.com, novum123@ribbonbazaar.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

مفسرین کرام کی ایک علمی کوتاہی

قرآن کریم نے رسول اللہ ﷺ کو ہم سب مومنین کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ ہمارے علمائے کرام چونکہ حضور ﷺ کی ذاتی، شخصی، پرائیویٹ زندگی کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں اس لئے ہمارے علماء کرام نے حضور ﷺ کی زندگی کے ایک ایک گوشے اور ایک ایک جہت کو محفوظ کر لینے کی کوشش کی ہے۔ آپ کتبِ تفاسیر کو اٹھا کر دیکھئے ان کا قرآن فہمی کا طریقہ بھی یہ ہے کہ آیت تو قرآن سے لے لیتے ہیں پھر اس کا شان نزول اور اس کی تفسیر کتب روایات میں ڈھونڈتے ہیں اور اس طرح اس دور کے تمام حالات کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضور ﷺ سے متعلق جو علمی وفکری امور ہیں وہ ان تفاسیر نے بالکل نظر انداز کر دیئے ہیں۔ سورۂ یوسف میں ارشاد عالی ہے:

قُلْ هَـٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (12:108)-

کہہ دو یہ میرا راستہ ہے اور میں اور میرے پیروکار پوری بصیرت سے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں خدا منزہ ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اس آیت سے بخوبی واضح ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دور میں مشرکین و کفار کو جب اسلام کی دعوت دیتے تھے تو وہ اس کے لئے دلائل دیتے تھے۔ اگر قرآن کریم میں یہ آیت نہ بھی ہوتی تب بھی عقلی طور پر یہ بات ظاہر ہے کہ ایک سچے رہبر کی ذمہ داریوں میں سے اس کی ایک یہ اہم ذمہ داری ہے کہ صراحت کے ساتھ اپنے پروگراموں اور اہداف کا اعلان کرے اور اپنی صداقت کے دلائل فراہم کرے۔ آپ کتب تفاسیر کا مطالعہ فرمائیں آپ کو کسی جگہ یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ جب حضور ﷺ نے کفار ومشرکین کو دین کی دعوت دی تو انہوں نے توحید، آخرت، ملائکہ اور اپنی رسالت کے ثبوت میں کیا کیا دلائل فراہم فرمائے۔ ظاہر ہے کہ ان دعاوی کے ثبوت میں جو دلائل خود حضور ﷺ نے اپنے علمی وفکری انداز سے پیش کئے ہوں گے، ان سے بہتر اور مضبوط دلائل اور کوئی شخص فراہم نہیں کر سکتا۔ پھر

حضورﷺ نے مکہ میں تیرہ سال کے دوران ہر شخص کو انفرادی طور پر بھی مخاطب کیا ہوگا' اس دور کی اہم شخصیات ابوجہل' ابوسفیان' ابولہب' سب کو ذاتی طور پر Convince کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ ہماری روایات میں یہ بات تو آتی ہے کہ یہ آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور یہ آیت ابولہب کے سلسلہ میں نازل ہوئی۔ لیکن ان روایات میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ جب حضورﷺ نے ابوجہل کو دین کی دعوت دی' تو اس کے لئے کیا دلائل ارشاد فرمائے اور ابوجہل نے ان دلائل کی تردید میں کیا کچھ کہا۔

کتب تفاسیر میں آیہ کریمہ کے ذیل میں مباہلہ کا تذکرہ بہت تفصیل سے آیا ہے۔ کچھ جزوی اختلافات سے قطع نظر سب نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضورﷺ نے نجران کے نصاریٰ کی جانب تبلیغ کے سلسلہ میں ایک فرمان ارسال فرمایا۔ نصاریٰ نے آپس میں مشورہ کر کے شرجیل عبداللہ بن شریل' اور جبار بن قیص کو حضورﷺ کی خدمت عالی میں بھیجا ان لوگوں نے آ کر حضورﷺ سے مذہبی امور کے بارے میں بات کی اور ان کی بحث وتمحیص تین دن تک حضورﷺ سے جاری رہی۔ لیکن وہ حضرت عیسیٰؑ کی الوھیت پر قائم رہے اور ان لوگوں نے انتہائی بحث وتکرار سے کام لیا جب وہ اسلام قبول کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے تو آیت مباہلہ نازل ہوئی اور اس پر حضورﷺ نے نصاریٰ کو مباہلہ کی دعوت دی۔ مباہلہ کی تفصیلات تقریباً سب کتب تفاسیر میں موجود ہیں۔ علماء نصاریٰ کے ساتھ حضورﷺ کی تین روز تک بحث وتمحیص جاری رہی اور حضورﷺ نے انہیں اسلام کے برحق ہونے پر دلائل دیئے لیکن علمائے نصاریٰ نے وہ دلائل تسلیم نہیں کئے۔ مباہلہ کی ساری تفاصیل + زائد از ضرورت جزئیات' متعلقہ افراد کے نام' سب کتب تفاسیر میں موجود ہیں لیکن حیرت یہ ہوتی ہے کہ جو دلائل حضورﷺ نے اسلام کے برحق ہونے کے دیئے' ان دلائل کا کوئی ذکر کسی بھی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ حضورﷺ نے نصاریٰ کے علماء کے سامنے جو دلائل دیئے ہوں گے وہ ہمارے لئے کوئی معمولی سرمایہ نہیں تھے۔ ظاہر ہے کہ ان دلائل سے بہتر اور کوئی دلائل کوئی شخص بھی پیش نہیں کر سکتا لیکن ہمارے مفسرین کی یہ بڑی کوتاہی ہے کہ انہوں نے ان دلائل کو محفوظ نہیں رکھا۔

دین اور مذہب میں یہ بنیادی فرق ہوتا ہے کہ مذہب خدا اور انسان کے درمیان ایک پرائیویٹ معاملہ ہے۔ اس کا وجود ذہن انسانی سے باہر موجود فی الخارج نہیں ہوتا۔ خدا اور انسان کے مابین یہ تعلق پوجا پاٹ' یا پرستش کی چند رسومات کے ذریعہ قائم کیا جاتا ہے اور اس سے انسان کو یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس کا اللہ سے براہ راست تعلق قائم ہے' اس تعلق کو قائم کرنے کے لئے کسی نظام کی ضرورت نہیں ہوتی اس کے برخلاف دین اس نظام کا نام ہے جو قوانین

خداوندی کے مطابق قائم کیا جاتا ہے۔ یہ انسان کی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہوتا ہے اور اس نظام کی اطاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں دین کو نظام مملکت کہا جاتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ اسلام جس طرح ایک مکمل Ideology یا ضابطۂ حیات ہے کوئی دوسرا ضابطۂ حیات اس کے مقابلہ میں ذہن انسانی نہیں بنا سکا۔ البتہ اسلام کی ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ میں صرف کمیونزم ایک ضابطہ حیات تھا جو اسلام کے مقابلہ میں آیا تھا وہ بری طرح ناکامی کے ساتھ اپنی موت خود آپ ہی مر گیا۔ اور اسکی ناکامی کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کو وہ اساس محکم نہیں مل سکی جس پر اس کی ساری عمارت کو استوار کیا جا سکتا۔ مذہب کے نتائج اس دنیا میں سامنے نہیں آتے بلکہ اس کے نتائج کو قیامت تک ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے آپ کسی بھی مذہب کو درست یا غلط نہیں کہہ سکتے۔ لیکن دین کے نتائج چونکہ اسی دنیا میں سامنے آجاتے ہیں اس لئے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ کونسا دین سچا ہے اور کونسا نہیں۔ علمی وفکری دلائل کے علاوہ حضورﷺ نے دین کے معیار پر جو دلائل پیش کئے ان میں فرمایا:

قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ (6:135)-

تو کہہ دے اے لوگو! تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر میں بھی کام کرتا ہوں سو تم عنقریب جان لو گے کہ عاقبت کا گھر کس کو ملنا ہے۔ یقیناً ظالموں کا بھلا نہ ہوگا۔ (ترجمہ حضرت شیخ الہند)

شاہ عبدالقادر صاحب نے ''آخر کا گھر'' ترجمہ کیا ہے۔ آیت بالکل واضح ہے اور دین اور مذہب کے فرق کو نکھار کے پیش کر رہی ہے کہ حضورﷺ ان کو چیلنج کر رہے ہیں کہ جو ضابطۂ حیات میں لایا ہوں' اس کے نتائج جلد سامنے آجائیں گے' اس لئے میں اپنے ضابطہ پر عمل کرتا ہوں اور تم اپنے ضابطہ پر عمل کرو۔ بہت جلد اسی دنیا میں معلوم ہو جائے گا کہ ظالم کسی حال میں بھی فلاح نہیں پا سکتا' لیکن ان دو ترجموں یعنی ''عاقبت کا گھر'' اور ''آخر کا گھر'' یہی تاثر دے رہے ہیں حضورﷺ کے عطا کردہ نظام پر عمل کرنے کے نتائج آخرت میں ہی آئیں گے' چنانچہ جلالین میں بھی مرقوم ہے: ای العاقبه المحمودة فی الدار آخرة انحن ام انتم۔ جلالین نے خود ہی اس کا ترجمہ تحریر کیا ہے' یعنی آخرت میں بہترین نتیجہ ہمارے ہاتھ آتا ہے۔ یا تمہارے ساتھ رہتا ہے۔ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے ''تدبر قرآن'' میں تحریر ہے کہ ''دار سے مراد آخرت ہے۔'' اس لئے کہ اصل نتائج کے ظہور کی جگہ وہی ہے۔ (جلد 3' ص169)۔ لیکن تصریف آیات سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ دین پر عمل کرنے کے نتائج آخرت میں نہیں بلکہ اسی دنیا میں سامنے آجاتے ہیں۔ ہمارے علمائے

کرام کے سامنے چونکہ دین کا تصور نہیں ہوتا' اس لئے وہ مذہب کے زیر اثر یہی ترجمہ کرتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَيَا قَوْمِ اعْمَلُواْ عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ (11:93)-

اے میری قوم اپنی جگہ کام کئے جاؤ' میں بھی کام کرتا ہوں' آگے معلوم کر لو گے کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے۔ اور کون جھوٹا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ O مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ(39:39-40)-

تو کہہ کہ اے میری قوم اپنی جگہ پر کام کئے جاؤ میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لو گے کس پر آفت آئی ہے کہ اس کو رسوا کرے اور کس پر سدا رہنے والا عذاب اترتا ہے۔

ان دونوں آیات نے واضح کر دیا کہ دین پر عمل کرنے یا اس کو رد کرنے کے نتائج اس دنیا میں ہی برآمد ہو جاتے ہیں۔ اس میں قیامت تک انتظار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اور حضرت شیخ الہند اور شاہ عبدالقادر صاحب دونوں حضرات کا ترجمہ درست نہیں ہے۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ صدر اول میں جب مسلمانوں نے دین پر عمل کیا' اس کے نتائج اس دنیا میں ان کے سامنے آ گئے۔ انہیں عزت' غلبہ' اقتدار اور انسانیت کی امامت کا مقام حاصل ہوا۔ اور حضورﷺ کے مخالفین یا تو خود مسلمان ہو گئے یا پھر ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ (9:118)- زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان پر ان کی جانیں تنگ ہوگئیں۔ وہ اس دنیا میں بھی رسوا ہوئے اور اسی دنیا میں ان پر عذاب بھی نازل ہوا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآن مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

WWW.QURANBREEZE.COM, WWW.TOLUISLAM.COM

سی ڈی اور کتب کی خریداری ☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com, PDF.EBOOK

☆ اندرون ملک' فون: 35753666 42 92+' ای میل: trust@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن

ibne_sina@hotmail.com

پاکستان کے لئے ترقی کا راستہ!

(ڈاکٹر عطاء الرحمٰن صاحب سابق وزیر سائنس، ٹیکنالوجی اور چیئرمین ہائر ایجوکیشن کمیشن کا یہ مضمون 25 اگست 2011ء کے روزنامہ جنگ لاہور میں چھپا۔ اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اسے 26-08-2011 کے روزنامہ ''آواز لاہور'' میں ''انقلابی اقدامات کی ضرورت'' کے عنوان سے خصوصی مضمون کے طور پر دوبارہ شائع کیا گیا۔ اب اسے بشکریہ روزنامہ جنگ اور روزنامہ آواز لاہور طلوع اسلام لاہور کے قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔ ادارہ)

ہم ایک ایسے دور میں رہ رہے ہیں جہاں قدرتی وسائل کی اہمیت ختم ہو رہی ہے اور سماجی اور اقتصادی ترقی کے لئے معلومات واحد اہمیت کا حامل عنصر بن چکی ہیں۔ تقریباً تمام ممالک کو اس بات کا بخوبی ادراک ہو چکا ہے کہ اصل دولت ان کے بچوں میں پوشیدہ ہے لہٰذا انہوں نے تعلیم، سائنس، انجینئرنگ اور جدید طریقے دریافت کرنے میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی اور دوسروں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ فن لینڈ کی صرف ایک سیل فون کمپنی کی برآمدات پاکستان کی مجموعی برآمدات سے دگنی ہے جبکہ فن لینڈ کی آبادی کراچی کی ایک چوتھائی آبادی کے برابر ہے۔ اسی طرح سنگاپور بھی کم آبادی کا حامل ملک ہے لیکن اس کی برآمدات 351 بلین ڈالر ہے جو پاکستان کی برآمدات سے 18 گنا زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ جنوبی کوریا نے اپنے تعلیمی نظام کو بہتر بنایا اور اعلیٰ تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی پر بھرپور توجہ دی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے یونیورسٹی میں طلبہ کی تعداد کو بھی بڑھایا جو 1960ء میں صرف پانچ فیصد تھی لیکن 2010ء میں طلبہ کی تعداد بڑھ کر 92 فیصد ہو گئی ہے۔ نتیجتاً ان کی برآمدات میں حیرت انگیز طور پر تیزی آئی ہے۔ جنوبی کوریا کی برآمدات 1960ء میں 32 ملین ڈالر سے بڑھ کر 2010ء میں 466 بلین ڈالر تک پہنچ گئی جبکہ (پاکستان کی برآمدات تقریباً 20 بلین ڈالر پر رک گئی ہے)۔

پاکستان میں ایسا کیا غلط ہوا؟ 1947ء میں پاکستان آزادی حاصل کرنے کے بعد سے اب تک ایک بحران سے دوسرے بحران کا سامنا کر رہا ہے۔ پاکستان جمہوری اور فوجی حکومتوں کے درمیان ڈولتا رہا۔ کرپٹ حکومتوں کو جب بھی موقع ملا انہوں نے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رکھا جس سے فوجی مداخلت ناگزیر ہوگئی اور سیاستدانوں کی اپنی حرکتوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کے جدید اور ترقی پسند پاکستان کے ویژن کو شرمندہ کر دیا۔ تاہم فوجی حکومتیں بھی ان بیوروکریٹس اور مجرم سیاستدانوں کو سزا دینے میں ناکام رہیں جنہوں نے بیرون ملک دولت کا ڈھیر لگا رکھا تھا۔

اس کے برخلاف بھارت نے زمینی اصلاحات متعارف کروائیں اور جواہر لال نہرو کے ویژن کے اصولوں کو اپناتے ہوئے تعلیم' سائنس اور ٹیکنالوجی کو سب سے زیادہ اہمیت دی۔ دوسری جانب پاکستان میں زمینی اصلاحات نہ ہونے کے سبب مضبوط متوسط طبقے کو ابھرنے کا موقع نہیں ملا اور یہاں سکولوں کا انتہائی خراب نظام تعلیم تشکیل پایا۔ پارلیمنٹ اور کیبنٹ میں بڑی تعداد میں موجود طاقتور زمینداروں نے تعلیم کو بہت کم اہمیت دی۔ تاہم پاکستان تعلیم پر اپنے جی ڈی پی کا صرف 1.2 فیصد خرچ کر رہا ہے جو اسے بھوٹان' نیپال اور ٹوگو سے ملاتا ہے۔ تعلیم میں سرمایہ کاری کے لحاظ سے ہمارا شمار دنیا کے سب سے نیچے آنے والے 10 ممالک کی فہرست میں ہوتا ہے جو ایک ایٹمی طاقت کے لئے انتہائی شرم کی بات ہے۔ بہرکیف اس لائحہ عمل کا نتیجہ ناخواندہ اور قانون شکن قوم کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے جو غیر ملکی قرضوں میں ڈوب رہی ہے جبکہ دوسری جانب لوٹ کا بازار اپنے عروج پر ہے۔

تو پھر کیا یہ رستہ ہے آگے بڑھنے کا؟ یہ حقیقت ہے کہ جمہوریت کا برٹش پارلیمانی نظام ایک بڑی ناکامی ہے اور نہ ہی فوجی حکمرانی میں اس کا حل موجود ہے۔ تلخ تجربات سے سیکھتے ہوئے ہمیں گورننس کے ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جو کرپشن کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور معیشت کے مضبوط شعبے کی ترقی کو فروغ دے' تاہم اس تناظر میں مندرجہ ذیل تجاویز دی گئی ہیں۔

گورننس میں اصلاحات: ہمیں ضرورت ہے کہ ہم موجودہ پارلیمانی جمہوریت کے نظام کو ختم کر کے ملک میں آئینی اصلاحات کا آغاز کریں۔ موجودہ طرز حکومت کرپٹ سیاستدانوں کو اقتدار کے ایوانوں تک پہنچانے کا باعث بنی اور ایسے سیاستدان پارلیمنٹ تک پہنچ گئے جن میں سے 51 کی تعلیمی اسناد کے بارے میں ثابت ہوگیا ہے کہ وہ جعلی ہیں جبکہ 250 کی اسناد مشکوک ہیں۔ اس نظام کی جگہ ہمارے ملک میں جمہوریت کا صدارتی نظام رائج کیا جانا چاہئے جو اپنی صوابدید سے بہترین قابلیت کے حامل افراد کو ان کے تجربے کے مطابق وزارتوں پر متعین کرتا ہے۔ تاہم

ایسا کرنے کے لئے آئین میں ضروری ترامیم کرنی پڑیں گی۔ اس کے علاوہ آئین میں اس امر کو بھی یقینی بنانے کی ضرورت ہے کہ پارلیمنٹ میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد ہی پہنچ سکیں کیونکہ ان کا پہلا کام ہی قانون سازی کرنا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں حکومت کے محکموں کی ذمہ داری ان افراد کو سونپنی چاہئے جو اپنے اپنے اداروں سے متعلق اہلیت کا اعلیٰ ترین معیار رکھتے ہوں اور ان کا تقرر ان کی اہلیت کے مطابق شفاف طریقے سے مقابلے کے امتحان کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ صدر، سیکریٹریوں اور پارلیمنٹ میں موجود افراد کی تقرری یا ان کے انتخابات میں حصہ لینے سے متعلق اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی کو ان سے اچھی طرح چھان بین کر لینی چاہئے۔ یہ کمیٹی مشہور اور باکردار شہریوں اور سپریم کورٹ کے ججوں پر مشتمل ہونی چاہئے جو اعلیٰ عہدوں پر تقرر کے بارے میں متعلقہ افراد کے موزوں ہونے کی تصدیق کر سکیں۔ تاہم ایسے افراد جو کسی طرح بھی مشکوک کردار کے حامل ہوں ان کو اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ وہ حکومت کے کسی کلیدی ادارے کی سربراہی کریں یا انتخابات میں حصہ لیں۔ اسی طرح پبلک سیکٹر کے اداروں مثلاً پی آئی اے، اسٹیل مل اور مختلف آرگنائیزیشن جیسے ایف بی آر، ایف آئی اے اور نیب کی سربراہی کے لئے بھی ایسے افراد کی تقرری کی جائے جن کے بارے میں مجوزہ کمیٹی سفارش کرے نہ کہ حکومت اس میں دخل اندازی کرے۔ اس کے علاوہ ان اداروں کے سربراہ اپنے ادارے سے متعلق امور کے بارے میں مکمل طور پر خودمختار ہوں اور وہ اپنے کام کے بارے میں حکومت کو جواب دہ نہ ہوں بلکہ ان کے کام سے متعلق امور کی نگرانی کی ذمہ داری متعلقہ اداروں کے بورڈ آف گورنر کی ہونی چاہئے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ سابق وزیرخزانہ شوکت ترین کے تخمینے کے مطابق صرف ایف بی آر کے ادارے میں 500 ارب روپے کی سالانہ کرپشن ہوتی ہے۔

تعلیم: اگر ہمیں تکلیف دہ غربت اور مسلسل بڑھتے ہوئے قرضوں سے نجات حاصل کرنی ہے تو یہ ضروری ہے کہ ہم مضبوط تعلیمی پالیسی اختیار کریں اور یہ تب ہی ممکن ہو سکے گا جب ہم اپنے آئین میں اس طرح ترمیم کریں کہ ہمارے پالیسی ساز ادارے اس بات پر مجبور ہو جائیں کہ وہ ملک میں تعلیم کے فروغ کو اپنی اولین ترجیح قرار دیں اور اس کو روبہ عمل لائیں۔ ملائیشیا تیس سال سے اپنے بجٹ کا 30 فیصد حصہ تعلیم و تربیت کے اخراجات پورے کرنے میں صرف کر رہا ہے۔ ہمیں بھی آئینی طریقہ کار کے ذریعے یہی لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے۔ پاکستان کے لئے اپنی موجودہ مشکلات غربت، کرپشن اور ملک میں امن و امان کی خراب صورتحال سے نکلنے کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم تعلیم کے فروغ کو اپنا نصب العین بنائیں۔ ہمارے ملک میں 9 کروڑ نوجوانوں کی تعداد ایسی ہے جن کی عمریں 19

سال سے کم ہیں ان میں بے پناہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنی محنت اور مشقت سے ہمارے ملک پاکستان کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں لا کھڑا کریں۔ تعلیم و ترقی کے لئے یہ بہترین موقع ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ہم اگر اپنے نوجوانوں کی اچھی تعلیم و تربیت کا انتظام کر لیں جس سے وہ ملک کی اقتصادی ترقی میں محنت و مشقت سے اپنا کردار ادا کریں اور ان کو اپنی قابلیت سے فائدہ اٹھانے کے ذرائع میسر ہوں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کا مستقبل شاندار ہے۔ لیکن اگر ہم ایسا کرنے میں ناکام رہے تو یہی ملک کے لئے اقتصادی بوجھ ثابت ہوگا' غربت میں اضافہ ہوگا جس سے لوگوں میں مایوسی پیدا ہوگی اور جرائم کی شرح میں اضافہ ہوگا اور جرائم کی شرح مزید بڑھے گی۔ تعلیم میں بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری نوجوانوں میں اہلیت پیدا کرے گی جس کی ہائی ٹیک صنعتوں' انجینئرنگ کے شعبوں' دوائیوں کی صنعتوں' بائیوٹیکنالوجی کی اور دفاعی چیزوں میں ضرورت ہے اور ایک ایسی قومی ٹیکنالوجی بنانے کی ضرورت ہے جس کا مقصد خود کو خود مختار بنانا ہو تاکہ ہم ہائی ٹیک پروڈکٹس کے بڑے عالمی برآمد کنندہ بن جائیں۔

انصاف کا حصول: کرپشن میں ملوث افراد اور دہشت گردی سے منسلک مجرموں کو سخت سزائیں دی جانی چاہئیں۔ ملک میں رائج موجودہ قانونی نظام اس لحاظ سے ناکام ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ججوں اور گواہوں کو ملک کے طاقتور حلقوں اور دہشت گردی اور کرپشن میں ملوث افراد کی جانب سے موت کی دھمکیاں ملتی ہیں۔ تاہم ابتدائی طور پر یہ ضروری ہو گیا ہے کہ فوجی عدالتوں کے ذریعے ان مجرموں کو سزائیں دی جائیں تاکہ ملک سے کافی حد تک جرائم کا خاتمہ کیا جا سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک باقاعدہ منظّم پولیس فورس تشکیل دینے کی بھی ضرورت ہے۔ وہ افراد جنہوں نے بیرون ملک اپنے اثاثے بھی جمع کر رکھے ہیں۔ ان پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ قوم کو ان کی امانت واپس کریں اور اپنی بقیہ زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزار دیں۔ عدالتی نظام پر نظر ثانی کی بھی ضرورت ہے جس میں عدالتوں کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ تین مہینوں کے اندر اندر مقدمات کے فیصلے ہو جانے چاہئیں۔ اس کے لئے زمینی اصلاحات کی بھی ضرورت ہے۔ کمپیوٹر میں زمینی کوائف کے ریکارڈ سے پٹواری نظام کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں اب ایک قوم کی حیثیت سے فیصلہ کرنا ہے۔ ہمارے پاس قدرتی اور انسانی وسائل بھی ہیں محنتی اور باصلاحیت افراد بھی' اگر ہم ہمت سے کام لیں اور اپنے لئے مندرجہ بالا اصلاحات کے ذریعے ایک نیا راستہ مقرر کریں تو ہم بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے خواب کو حقیقت کا رنگ دے سکتے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور' 25-8-2011)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عطاء الحق قاسمی

جنتی

وہ انتہائی گھٹیا اور کمینہ شخص تھا۔ وہ کمینہ صرف تھا ہی نہیں بلکہ لگتا بھی تھا۔ وہ جب میری کسی بے تکی سی بات پر خوشامدانہ ہنسی ہنستا تو مجھے احساس ہوتا کہ جس بات کو میں صرف بے تکی سمجھا تھا' وہ بہت احمقانہ بھی تھی۔ وہ دانت سکوڑ کر بات کرتا۔ اس دوران اس کا چہرہ کھنچ جاتا۔ اس کے سر پر جتنے بال تھے وہ گنے جا سکتے تھے۔ اس کی ناک سامنے سے قدرے اوپر کو اٹھی ہوئی تھی اگر یہ قدرے زیادہ لمبی ہوتی تو اسے ہتھنی کی سونڈ سے تشبیہہ دی جا سکتی تھی۔ اس کے نتھنے چوڑے تھے۔ لگتا تھا جیسے ان میں ہوا بھری ہوئی ہے۔ رنگ گندمی' آنکھیں ''کول ڈوڈوں'' جیسی تھی۔ یعنی بالکل کول ڈوڈوں جیسی (اس لفظ کا ترجمہ اگر ہے تو یہی ہے) چہرہ قدرے بھونڈا اور تھوڑی سی توند نکلی ہوئی۔ وہ بہت امیر آدمی تھا۔ کروڑوں کی جائیداد تھی لیکن اللہ نے اس پر ہر آسائش اور رزق حلال حرام کیا ہوا تھا۔ وہ نہایت سستے کپڑے پہنتا' اگر کبھی تھری پیس سوٹ میں بھی ملبوس ہوتا تو لگتا تھا وہ ابھی ابھی گھڑے سے نکال کر لایا ہے۔ اس پر ''وٹ'' پڑے ہوتے اور پتلون کی کتنی ہی کریزیں نظر آتیں۔ اس کا کوئی ایک روپ نہیں تھا۔ وہ دن میں موقع محل کے مطابق کتنے ہی روپ بدلتا' اگر اسے مجھ سے کوئی کام ہوتا تو اس کی خوشامدانہ ہنسی رکے نہ رکتی اور اگر کوئی کام نہ ہوتا تو اس کا چہرہ مزید کھنچ کر پہلے سے زیادہ منحوس ہو جاتا۔ اس کا کوئی نظریہ کوئی عقیدہ نہیں تھا مگر بوقتِ ضرورت وہ ہر نظریہ اور ہر عقیدہ اوڑھ لیتا تھا چنانچہ کبھی وہ داڑھی رکھ لیتا اور کبھی منڈوا ڈالتا' وہ کبھی کبھار مسجد میں بھی جاتا تھا مگر کچھ اس طرح کہ سب نمازیوں کو اس کی آمد کی خبر ہو جاتی تھی۔ وہ مسجد میں داخل ہوتے ہی پہلے ایک زوردار کھنگورا مارتا جس پر نمازیوں کی نظریں اس کی طرف اٹھ جاتیں۔ اس کے بعد وہ ایک سستے عطر کی شیشی ہاتھ میں پکڑے ایک ایک نمازی کے پاس جاتا اور اس کی قمیص پر یہ عطر لگاتا' جس کی وجہ سے وہ اسے ہمیشہ یاد رکھتے کیونکہ اس عطر کا نشان عمر بھر جاتا نہیں تھا۔ عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس میں وہ عربی لباس میں ملبوس اونٹ پر سوار نظر آتا اور محرم میں کالی قمیص پہن کر پھرتا۔ انڈیا اور پاکستان میں میچ کے درمیان اپنے کاروبار کے سلسلے میں وہ اگر انڈیا میں ہوتا تو انڈین کھلاڑیوں کو انڈینز سے زیادہ

اچھل اچھل کر داد دیتا اور اگر پاکستان میں ہوتا تو پاکستان زندہ باد کے نعرے لگاتے لگاتے اس کا گلا بیٹھ جاتا۔

اس کا کوئی ایک کاروبار بلکہ دھندا نہیں تھا بلکہ وہ ہر دو نمبر کام کرتا تھا اور اس سے اس نے کروڑوں کی جائیداد بنائی تھی۔ لالہ موسیٰ میں اس کی جعلی کاسمیٹکس کی فیکٹری تھی۔ شیخوپورہ روڈ پر اس نے ایک فارماسیوٹیکل کمپنی بھی بنائی ہوئی تھی جہاں جعلی ادویات تیار ہوتی تھیں۔ قبضہ گروپ سے بھی اس کے رابطے تھے۔ شنید ہے کہ اس نے ایک صاحب سے تیس لاکھ روپے یہ کہہ کر اینٹھے تھے کہ ہزار ہزار کے جعلی نوٹ تیار کرنے کا پورا ساز وسامان اس کے پاس موجود ہے چنانچہ وہ اگر اس ''پراجیکٹ'' میں شامل ہونا چاہے تو صرف تیس لاکھ کے عوض وہ دنوں میں کروڑ پتی بن جائے گا۔ واللہ اعلم' اس کے علاوہ اس نے تین مالدار بیواؤں سے یکے بعد دیگرے شادی بھی کی تھی اور وہ ان کی یکے بعد دیگرے موت کو محض اتفاق قرار دیتا تھا۔ ایک دن اسے مجھ سے کوئی کام تھا۔ سو اس روز اس کی خوشامدانہ ہنسی دیدنی تھی۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ''چوہدری! ایک بات تو بتاؤ؟'' دانت نکال کر اور اپنے گول گول دیدے گھماتے ہوئے بولا ''سرکار! پوچھیں'' میں نے کہا ''تم دو نمبر کام کرتے ہو' کبھی ضمیر پر بوجھ محسوس نہیں ہوا؟'' یہ سن کر اس نے اپنا منہ اتنا زیادہ کھول کر قہقہہ لگایا کہ اس کے حلق کا ''کوّا'' دکھائی دینے لگا۔ اس کا جواب یہ قہقہہ ہی تھا۔ میں نے پوچھا ''اور یہ جو تم کروڑوں کے مالک ہونے کے باوجود ویگنوں اور بسوں میں دھکے کھاتے ہو' کوئی تمہیں تمہارے اسٹیٹس کے مطابق نہیں ملتا؟ ہر ایک تم سے تو تکار ہی کرتا ہے تو یہ دو نمبر دھندوں سے کمائی ہوئی دولت کس کام کی؟'' اس دفعہ وہ کچھ سنجیدہ ہو گیا اور کہا ''سرکار! آپ نے کبھی ایک کروڑ روپیہ اکٹھا دیکھا ہے؟'' میں نے جواب دیا ''ابھی تک تو نہیں!'' بولا ''پھر آپ کو کیا پتہ دولت کیا چیز ہوتی ہے اور اس میں اضافہ اور اسے سنبھالا کیسے جا سکتا ہے؟'' میں نے کہا ''چلو مان لیتا ہوں کہ مجھے اس ''سائنس'' کا کوئی علم نہیں' مگر یہ بتاؤ چوہدری کہ کیا تم موت پر یقین رکھتے ہو؟'' بولا ''اس سے انکار کون کر سکتا ہے' یہ تو ایک حقیقت ہے۔'' میں نے پوچھا ''کیا تمہارا آخرت پر بھی یقین ہے؟'' اس نے جواب دیا ''میں ایک لبرل قسم کا شخص ہوں۔ سب کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہوں مگر مرنے کے بعد حساب کتاب تو ہونا ہے؟'' میں نے ہنستے ہوئے کہا ''اگر حساب کتاب ہونا ہے تو پھر یاد رکھو فرشتوں نے تمہاری خاطر مدارت کے لئے ابھی سے دس نمبر لٹر تیل میں بھگو کر رکھا ہوا ہے'' اس پر چوہدری بھی ہنسا اور بولا ''آپ فکر نہ کریں میں نے بھی حفاظتی بندوبست کر رکھے ہیں۔'' وہ اٹھ کر جانے ہی کو تھا کہ مجھے یاد آ گیا کہ اس نے اتنی دولت کے باوجود اپنی حالت یتیموں جیسی بنا رکھنے کے سوال کا جواب تو دیا ہی نہیں۔ میں نے یاد دلایا تو اس نے

جواب دیا ''سرکار! میں اپنے گھر میں اور دوسرے شہر یا ملک میں جا کر ٹھاٹھ باٹھ سے رہتا ہوں۔ یہاں آ کر ٹھاٹھ باٹھ سے رہوں تو لوگ یا ادھار مانگنے لگتے ہیں اور پھر یرغمال بنا کر کروڑوں روپے تاوان طلب کرتے ہیں اور سرکار حق حلال کی کمائی اس طرح تو نہیں کمائی جاتی۔'' مجھے اس وقت بہت مزا آیا جب اپنی اس بات پر اسے خود بھی ہنسی آ گئی۔

یہ چوہدری سے میری آخری ملاقات تھی۔ چند دنوں کے بعد مجھے پتہ چلا کہ وہ ہارٹ اٹیک سے فوت ہو گیا ہے۔ ایک دن سرِ راہے اس کے بیٹے سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے رسمی طور پر تعزیت کی تو اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ''والد صاحب بہت خوش قسمت تھے کہ ان کی وفات رمضان کے مہینے میں ستائیسویں شب کو ہوئی۔ یہ نعمت صرف اللہ کے نیک بندوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ والد صاحب نے وصیت کر رکھی تھی کہ ان کے ایصالِ ثواب کے لئے زیادہ سے زیادہ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے چنانچہ ابھی تک ایک لاکھ مرتبہ قرآن مجید پڑھا جا چکا ہے' نیز والد کی وصیت کے مطابق چار حفاظِ قرآن ان کی قبر پر چھ چھ گھنٹے تلاوت کرتے ہیں اور یوں چوبیس گھنٹے یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔'' میں نے کہا ''سبحان اللہ پھر تو آپ کے والد صاحب سیدھا جنت میں جائیں گے' دوزخ کے فرشتے تو دانت ہی کچکچاتے رہ جائیں گے!'' بولا ''اس میں کیا شک ہے!''

مجھے بھی اس میں کوئی شک نہیں اگر آپ میں سے کسی کو شک ہے تو وہ ہاتھ کھڑا کرے!

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور' 3-9-2011)

یکے از مطبوعات ادارہ باغبان ایسوسی ایشن

سیلاب زدگان کی امداد

ادارہ باغبان ایسوسی ایشن کے تمام عہدیداران' تاحیات ممبران' عام ممبران' متفقین' ہمدرد اور باغبان ایسوسی ایشن کو بنظرِ تحسین دیکھنے والے تمام خواتین وحضرات سے پُرزور اپیل کرتا ہے کہ وہ سیلاب زدگان کی امداد کے لئے آگے آئیں' خود بھی اس میں حصہ ڈالیں اور دوسروں کو بھی انسانیت کے نام پر امداد کی اپیل کریں۔ دی جانے والی امداد کی تفصیل سے اگر مناسب خیال کریں تو آگاہ بھی کر دیں۔ بہت بہت شکریہ!

پتہ رابطہ: ملک حنیف وجدانی' صدر باغبان ایسوسی ایشن' سنبل سیداں' نیومری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عارف محمود کسانہ

بچوں کا صفحہ

سب انسان برابر ہیں

ہم چوہدری کیوں نہیں؟ عائشہ نے سکول سے گھر آتے ہی اپنے ابو سے پوچھا۔ کیا بات ہے' کیوں پوچھ رہی ہو۔ اُس کے ابو نے بڑے پیار سے عائشہ سے کہا۔ ابو میری دوست فوزیہ بڑی اکڑ کر کہہ رہی تھی کہ ہم چوہدری ہیں' ہماری ذات سب سے بڑی ہے اور ہم سب سے اونچے ہیں۔ تم تو چوہدری نہیں ہو۔ ابو کیا چوہدری سب سے اونچے ہوتے ہیں۔ کیا ہم چوہدری نہیں بن سکتے' یہ ذات کیا ہوتی ہے۔ عائشہ نے پھر اپنے ابو سے پوچھا۔ آؤ میرے پاس بیٹھو میں تمھیں بتاتا ہوں۔ عائشہ اپنے ابو کے پاس بیٹھ گئی اتنی دیر میں اُس کی چھوٹی بہنیں ثنا اور مریم بھی آ گئیں اور وہ بھی سننے لگیں۔ اُن کے ابو انہیں بتانے لگے کہ کوئی ذات بڑی یا چھوٹی نہیں ہوتی سب انسان ہونے کے ناطے برابر ہیں اور سب کی عزت ایک جیسی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ کہا ہے کہ سب آدم کی اولاد ہیں اور انسان ہونے کی وجہ سے قابلِ عزت ہیں چاہے کسی بھی رنگ' نسل یا مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ تمام انسانوں کو اللہ نے ایک جیسا پیدا کیا ہے۔ کوئی شخص صرف اِس لیے بڑا یا چھوٹا نہیں ہے کہ اُس کا تعلق کس قبیلہ' ملک یا قوم سے ہے۔ اِسی طرح کوئی قوم بڑی یا چھوٹی نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی ذات اونچی یا نیچی ہوتی ہے۔ اِن چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں اور اِس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ ہم چوہدری ہیں یا نہیں۔ فرق اِس سے پڑے گا کہ ہم اچھے انسان ہیں یا نہیں۔ ہمیں اپنے اخلاق اور کردار پر توجہ دینی چاہیے۔

لیکن فوزیہ تو کہہ رہی تھی کہ قوم اور برادری کا ذکر تو قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود کہا کہ ہم نے تمھیں قوموں اور قبیلوں میں پیدا کیا ہے۔ اِس کا پھر کیا مطلب ہے' اللہ تعالیٰ نے کیوں ایسے کہا ہے۔

ابو۔ قرآنِ پاک میں جہاں یہ ذکر آیا ہے وہ پوری آیت اِس طرح ہے کہ اے لوگو اللہ نے تمھیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے۔ باقی رہے مختلف خاندان اور قبیلے تو وہ صرف اس لیے ہیں کہ تمہیں ایک دوسرے کو پہچاننے میں آسانی ہو اور اللہ کے نزدیک وہی عزت والا ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے یعنی جو اللہ کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ دیکھا تم نے اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح کر دیا کہ کوئی اپنے خاندان' قبیلے' نسل' زبان اور کسی اور وجہ سے بڑائی کا

اظہار نہ کرے۔ قرآن مجید میں اِسی لیے یہ بتایا گیا ہے کیونکہ انسان اپنے آپ کو بڑا سمجھنے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صاف بتا دیا ہے کہ تمام انسان پیدائش کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں پھر اُن میں فرق کیسے ہو سکتا ہے۔ اور نہ کوئی خاندان کسی دوسرے خاندان سے بڑا اور معزز ہوسکتا ہے۔ خاندان اور قبیلے تو صرف اِس لیے ہیں کہ اگر ایک ہی محلے یا شہر میں ایک ہی نام کے بہت سے لوگ ہوں تو پہچاننے میں آسانی رہے کہ کس شخص کی بات کر رہے ہیں۔ جیسے صرف نام رکھنے سے کوئی بڑا یا چھوٹا نہیں ہوتا اِسی طرح خاندان کے نام سے کوئی بڑا یا چھوٹا نہیں ہوتا۔ کوئی صرف اِس وجہ سے عزت والا نہیں ہو جاتا کہ وہ فلاں خاندان میں پیدا ہوا ہے اور کوئی دوسرا کم عزت والا صرف اِس لیے ہے کہ وہ کسی اور خاندان میں پیدا ہوا ہے۔ کوئی بھی اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوتا یہ تو اللہ ہی پیدا کرتا ہے اور اللہ سب کو برابر پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا چوہدری ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کسی کا کوئی بھی خاندان ہو چاہے سید، چوہدری، بٹ، ملک، راجہ، میر، انصاری، رحمانی، قریشی یا کچھ بھی ہو یہ وجہ امتیاز نہیں۔ ہمارے پیارے رسول پاک ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں بالکل واضح کہا تھا کہ کسی عربی کو غیر عربی پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی برتری اور فضیلت حاصل نہیں سب برابر ہیں اور رنگ و نسل کے تمام بت آج میرے قدموں تلے ہیں۔ حضور ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ جن کا خاندان قریش اُس زمانے میں بڑا سمجھا جاتا تھا اُن کی شادی حضرت زیدؓ سے کرائی جو کہ پہلے غلام تھے اور انہیں خاندانی اعتبار سے کم سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح حضور ﷺ نے خاندان کے بڑا یا چھوٹا ہونے کا تصور ختم کر دیا۔ حضور ﷺ کے صحابہؓ میں حضرت بلالؓ حبشی بھی تھے اور حضرت صہیبؓ رومی بھی تھے۔ صحابہ میں حضرت سلمانؓ فارسی بھی تھے اور حضرت علیؓ بھی تھے مگر اُن میں خاندان کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں تھا اور پھر اللہ نے قرآن میں کہہ بھی دیا کہ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ایک دفعہ کچھ صحابہ میں ایک غلط فہمی کی وجہ سے چھوٹا سا جھگڑا ہو گیا تو ایک صحابی نے پرانے رواج کے مطابق اپنے قبیلے کو آواز دی تو دوسرے نے بھی یہی کیا۔ جب حضور ﷺ کو علم ہوا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ تم نے یہ سب سے بدبودار نعرہ لگایا ہے۔ آپ نے کہا کہ تم میری موجودگی میں یہ سب کر رہے ہو۔ جنہوں نے ایسا کیا انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اِس کے بعد کسی نے بھی ایسا نہ کیا۔

عائشہ کے ابو انہیں بتا رہے تھے اور وہ تینوں بہنیں بڑے غور سے سن رہی تھیں۔ ابو کہہ رہے تھے کہ بہت سے خاندان اس وجہ سے بنتے تھے کہ پرانے زمانے میں ایک ہی خاندان کے لوگ ایک جیسا ہی کام کرتے تھے اُن کا یہ پیشہ ہی اُن کے خاندان کا نام بن جاتا تھا۔ سب لوگ مل جل کر رہتے تھے اور اپنا اپنا کام کرتے تھے۔ اور یہی کام اُن کی پہچان بن جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد پر تو کسی کو بھی بڑا یا کمتر نہیں

کہنا چاہیے اور اسلام کا بھی یہی حکم ہے۔ جب انسان آپس میں اختلاف کرنے لگتے تھے تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی اُن کی طرف بھیجتے تھے تاکہ اُن کے اختلاف ختم کر کے انہیں پھر سے ایک بنا دیں۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر یہ کہا گیا ہے کہ مرنے کے بعد جنت صرف اچھے اعمال والوں کو ملے گی اور صرف خاندان کی بنیاد پر کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا یہی بات حضورﷺ نے اپنی بہت ہی پیاری بیٹی حضرت فاطمہؓ کو کہی تھی۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مختلف نسلوں، رنگوں، وطنوں اور قبیلوں والے انسان مسلمان ہونے کے بعد آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اور اِن کے آپس کے تعلقات نہایت محبت اور شفقت والے ہیں۔ اسلام میں قومیت کا معیار ایمان ہے اِس اعتبار سے دنیا میں صرف دو ہی قومیں ہیں ایک مسلمان اور دوسرے جو مسلمان نہیں ہیں۔

بابا یہ سنی اور شیعہ کیا ہوتا ہے اب مریم نے پوچھا۔ میں نے فیس بک میں دیکھا ہے کئی لوگوں نے اپنے آپ کو مسلمان سُنی لکھا ہوا ہے، کچھ نے شیعہ اور کئی لوگوں نے کچھ اور۔ ان میں کیا فرق ہے اور ہم کون سے مسلمان ہیں؟

ابو۔ ہم صرف مسلمان ہیں اور بس یہی ہماری پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں ہمیں صرف مسلمان کہا ہے اور اسلام کو ہمارا دین کہا ہے۔ ہمارے نبی حضرت محمدﷺ اور تمام صحابہ کرامؓ اپنے آپ کو صرف مسلمان کہتے تھے۔ خدا نے آپس میں اختلاف کرنے اور فرقے بنانے سے سخت منع کیا ہے۔ اِس بارے میں قرآن مجید میں ہے کہ تم سب اللہ کی رسی یعنی اُس کی کتاب قرآن کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقوں میں نہ بٹو۔ ایک اور جگہ پر کہا کہ فرقوں میں مت بٹو اور مشرکین والا کام نہ کرو۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر رسولِ پاکﷺ کو فرمایا کہ جن لوگوں نے بھی دین میں فرقے بنائے آپ کا اُن سے کوئی تعلق نہیں۔ کتنی اہم بات ہے جن کے ساتھ رسولِ پاکﷺ کا تعلق نہ ہو کیسے مسلمان ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قدر واضح احکامات کے بعد ہمیں اپنے آپ کو فرقوں میں تقسیم نہیں کرنا چاہیے اور اپنے آپ کو صرف مسلمان ہی کہنا چاہیے یہی ہماری پہچان ہونی چاہیے۔

تفسیر القرآن از۔ سرسید احمد خان

سابقہ سات جلدیں، دوخوبصورت جلدوں میں، ہدیہ -/1500 روپے علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ: مکتبۂ اخوت، اخوت سنٹر، (مچھلی منڈی) اردو بازار، لاہور۔

فون: 042-37235951، موبائل: 0333-4298184

طلوع اسلام ٹرسٹ سے بھی دستیاب ہے۔ فون نمبر: 042-35753666

CULTURE, MUSLIM & PAKISTANI CULTURE & PAKISTANI MUSLIMS

By

Shahid Mahmood Butt

Email: sila.law@gmail.com

==========

Culture is derived from Latin word cultura which stands for Cultivation. It is a term that has many different meanings. However, the word "culture" is most commonly used in three basic senses:

- Excellence of taste in the fine arts and humanities, also identified as high culture
- An integrated pattern of human knowledge, faith, belief, and behavior that depends upon the capacity and aptitude for symbolic thought and social learning
- The set of communal attitudes, values, goals, and practices that characterizes an institution, organization, or group

With the passage of time "culture" emerged as a concept central to anthropology, encompassing all human phenomena that are not purely results of human genetics. Specifically, the term "culture" denotes to;

- the evolved human capacity to categorize and represent experiences with symbols, and to act imaginatively and creatively; and
- the distinct ways that people living in different parts of the world classified and represented their experiences

Muslim culture is a term primarily used in academia to describe the cultural practices common to Muslims. As the religion Islam originated in 7th century in Arabia so the early forms of Muslim culture were predominantly Arab. With the rapid expansion of the Muslim empires, Muslim culture has influenced, by or large, the rest of the world especially assimilated much from the Persian, Turk, Pakistani, Mongol, Indian, Malay, Berber, Indonesian, Roman Byzantine, Spanish, Sicilian, Balkans, Filipino and Western cultures.

Muslim Culture refers to the customs and traditions that Muslims have adopted in their respective countries including the Islamic / Muslim Clothing they wear, foods they eat, wedding traditions and other such aspects of their Life. Muslim Culture is near to nature and bestowed with rich cultural heritage of loving and caring community. In spite of several problems, faced by the Muslims, in this west dominated world, people help each other in all aspects of life. One can say that whole of the Muslim community lives like an extended family, sharing joys and grieves of life together. Culture of Pakistan.

The society and culture of Pakistan comprises numerous diverse cultures and ethnic groups: the Punjabis, Kashmiris, Sindhis in east, Muhajirs, Makrani in the south; Baloch and Pashtun in the west; and the ancient Dardic, Wakhi and Burusho communities in the north. These Pakistani cultures have been greatly influenced by many of the surrounding countries' cultures, such as the Turkic peoples, Persian, Afghan, and Indians of Asia, Central and the Middle East.

In ancient times, Pakistan was a major cultural hub. Many cultural practices and great monuments have been inherited from the time of the ancient rulers of the region. One of the greatest cultural influences was that of the Persian Empire, of which Pakistan was a part. In fact, the Pakistani satraps were at one time the richest and most productive of the massive Persian Empire. Other key influences include the Afghan Empire, Mughal Empire and later, the short lived but influential, the British Empire.

Pakistan has a cultural and ethnic background going back to the Indus Valley Civilization, which existed from 2800–1800 B.C., and was remarkable for its ordered cities, advanced sanitation, excellent roads, and uniquely structured society. Pakistan has been invaded many times in the past, and has been occupied and settled by many different peoples, each of whom have left their imprint on the current inhabitants of the country. Some of the largest groups were the 'Aryans', Greeks, Scythians, Persians, White Huns, Arabs, Turks, Mongols, Afghans, Buddhists and other Eurasian groups, up to and including the British, who left in the late 1940s.

The region has formed a distinct cultural unit within the main cultural complex of South Asia, the Middle East and Central Asia from the earliest times, and is analogous to Turkey's position in Eurasia. There are differences in culture among the different ethnic groups in matters such as dress, food, and religion, especially where pre-Islamic customs differ from Islamic practices. Their cultural origins also reveal influences from far a field, including Tibet, Nepal, India and eastern

Afghanistan. All groups show varying degrees of influence from Persia, Turkestan and Hellenistic Greece. Pakistan was the first region of South Asia to receive the full impact of Islam and has developed a distinct Islamic identity, historically different from areas further west.

Analysis of Muslim Culture in Pakistan

A simple analysis of Muslim Culture in Pakistan can be elaborated as under;

- The outer circle consists of "cultural Muslims", who follow their religion in a somewhat superficial manner. They consider their religion a part of their culture, but do not necessarily read much about their faith or practice their religion actively. For them, Islam simply forms a framework identity for the social activities they engage in or identity for the social activities they engage in or identify with.
- The second circle is occupied by "ritual Muslims". They mainly practice the five pillars of Islam and are friendly.
- The third circle represents "theological Muslims". They study Islamic texts in greater depth and are interested in implementing shriah law instead of the worldly law of the land.
- The fourth circle consists of "revolutionary Muslims". They usually have trend and mindset to use force for implementation of their beliefs.
- The fifth and innermost circle represents "militants". They represent only a very small fraction of Muslim society but they are ready to sacrifice for implementation of their beliefs.

Proposed Measures to Promote Values of Quran

Based on this analysis it is the need of time to adapt considered communication suitable for each group to promote Quranic values and culture. It needs logic, reasoning and working with and within these groups to guide and encourage them to endorse values of the Holy Quran resulting into the desired Quranic culture.

==========